مطبع احمدی

iullaf

إنَّ هٰذا القرآن يهدي للتي هي أقوم

الفوز الكبير

فی اُصُولِ التفسیر

مصنفہ امام العرفاء اعتصام الحکماء، قدوۃ المفسرین، اسوۃ المتکلمین، آیۃ من آیات اللہ

حضرت مولٰنا و مقتدانا شاہ ولی اللہ دہلوی انار اللہ برہانہ، وافاض علی العالمین

برہ واحسانہ

جسکو

خاکسار رشید احمد انصاری نے حسب فرمائش کمیٹی دینیات اہل السنت والجماعت مدرستہ العلوم علیگڑھ

واسطے طلباے کالج کے اُردو میں ترجمہ کیا

اور اپنے

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع کر کے شائع کیا

سنہ ۱۹۱۴ء

تعداد طبع ۲۰۰۰ جلد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالے کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہی کہ اُس نے مجھکو قرآن مجید کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت پناہ کے احسانات اس کمترین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلقین قرنِ اوّل کو فرمائی اور اُنہوں نے قرن ثانی تک پہنچائی اور اسی طرح درجہ بدرجہ ہوکر اس خاکسار کو بھی اُس کی روایت اور درایت سے حصہ ملا۔ اللہم صلی علی ہذا النبی الکریم سیدنا و مولنا و شفیعنا افضل صلواتک و ایمن برکاتک و علی آلہ و صحابہ و علماء امتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اما بعد کہتا ہی فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم خدا ان دونوں سے اپنی مہربانی کے ساتھ معاملہ کرے کہ جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کو کار آمد ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں منضبط کرے خداوند تعالے کی عنایت بےغایت سے اُمید ہی کہ طالب علموں کو صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایک وسیع شاہراہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے یا اُن کو مفسروں سے جن کی تعداد اس زمانہ میں بہت ہی کم ہوگئی ہی پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی اور میں فی اس

رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وہو حسبی ونعم الوکیل۔

اس رسالہ کے مقاصد پانچ باب میں منحصر ہیں۔

(۱) پہلا باب ان علوم پنجگانہ کے بیان میں جن کی طرف قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ رہنمائی کی ہے اور گویا کہ قرآن مجید کے نزول کا مقصد در اصل وہی علوم پنجگانہ ہیں۔

(۲) دوسرا باب وجوہ خفا نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج نہایت وضاحت کے ساتھ۔

(۳) تیسرا باب نظم قرآنی کے لطائف اور اُس کے اسلوب بدیع کی تشریح بقدر طاقت بشری

(۴) چوتھا باب فنون تفسیر کے بیان میں

باب اوّل

اُن علوم پنجگانہ کے بیان میں کہ قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ انکو بیان کیا ہے

جاننا چاہیے کہ معانی جو قرآن مجید سے مفہوم ہوتے ہیں وہ پانچ علموں سے باہر نہیں ہیں اول علم احکام از قسم واجب مستحب مکروہ اور حرام یہ احکام خواہ عبادات میں سے ہوں یا معاملات میں سے تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدن سے اس علم کی تفصیل فقہا کے ذمہ ہے دوم علم مناظرہ چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود۔ نصاریٰ مشرکین اور منافقین اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے۔ سوم علم تذکیر بآلاء اللہ مثلاً زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو اُن کی ضروریات کا الہام کرنے اور نیز خداوند تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان۔ چہارم علم تذکیر بایام اللہ یعنی اُن واقعات کا بیان جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام و جزا اور مجرموں کے لیے تعذیب و سزا۔ پنجم علم تذکیر موت اور اُس کے

بعد کے واقعات کا بیان مثلاً حشر ونشر حساب میزان دوزخ جنت۔ ان علوم کی تفاصیل کو محفوظ رکھنا اور ان کے مناسب احادیث اور آثار ملحق کرنا واعظوں اور مذکروں کا کام ہے۔

قرآن مجید میں اُن علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ اور آیات احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے اور غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام جیسا کہ اصول والوں کا قاعدہ ہے نہیں کیا اور علم مباحثہ کے آیات میں اقوال مشہورہ مسلمہ اور خطابیات نافعہ کا التزام کیا ہے اور ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعائت جیسا کہ ادبائے متاخرین کا قاعدہ ہے نہیں کی گئی بلکہ خداوند تعالےٰ نے جس حکم کو بندوں کے لیے مہتم بالشان سمجھا اُسی کو بیان کیا۔ خواہ کوئی حکم مقدم ہو جائے یا موخر۔ عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصہ کے ساتھ ربط دیا ہے اور اُس قصہ کو اُس آیت کے لیئے سبب نزول مانا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ نزول قرآن سے مقصود اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور اُنکے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے اس لیے آیات مباحثہ کے نزول کے لیے مکلفین میں عقائد باطلہ کا وجود اور آیات احکام کے لیئے اُن میں اعمال فاسدہ اور مظالم کا شیوع۔ اور آیات تذکیر کے نزول کیلئے اُنکا بغیر ذکر آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت اور اُسکے بعد کے ہولناک واقعات کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہوا ہے۔ خاص خاص واقعات کو جنکے بیان کرنیکی زحمت اُٹھائی گئی ہے اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے۔ مگر صرف بعض آیات میں جہاں پر کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا اُس سے پیشتر واقع ہوا ہو کیونکہ سننے والے کے دل میں اُس اشارہ سے اک گہرا انتظار پیدا ہو جائے گا جو بدون قصہ کی تفصیل معلوم کیے زائل نہوگا بدیں وجہ ہم پر لازم ہے کہ اُن علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص (یعنی بے تعلق) واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔

پہلی فصل

علم مباحثہ کے بیان میں

قرآن مجید میں چاروں گمراہ فرقوں سے مباحثات ہوئے ہیں یعنی مشرکین۔ یہودی۔ نصاریٰ اور منافقین۔ اور یہ مباحثے دو طرح پر واقع ہوئے ایک تو یہ کہ فقط باطل عقیدہ کو بیان کر کے اور اُس کی قباحت کو ظاہر فرما کر اُس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ گمراہوں کے شبہات کو بیان کر کے اُن کو ادلہ قطعیہ یا خطابیات سے حل کرتے ہیں مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے ہیں حنیف اُسکو کہتے ہیں جو ملت ابراہیمی کا پابند اور اُس کے علامات کو سختی کے ساتھ اختیار کرنیوالا ہو ملت ابراہیمی کی علامات یہ ہیں۔ حج۔ کعبہ۔ استقبال کعبہ۔ غسل جنابت۔ ختنہ۔ اور باقی فطری خصائل اشہر حُرُم (شوال ذیقعدہ ذی الحجہ کی حرمت) مسجد حرام کی تعظیم نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام جاننا اور عام جانوروں کا ذبح حلق میں اور اونٹ کا نحر لبّہ میں اور ذبح اور نحر سے خدا تعالےٰ کی رضا جوئی خصوصاً حج کے زمانہ میں اور ملت ابراہیمی میں وضو نماز اور روزہ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک۔ اور یتیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا۔ اور مشکلات میں اُن کی اعانت کرنا اور صلہ رحم مشروع تھا۔ اور مشرکین کے یہاں ان امور کے کرنے والے کی مدح سرائی کی جاتی تھی۔ لیکن مشرکین نے عام طور پر ان امور کو ترک کر دیا تھا اور ان میں یہ خصائل کان لم یکن ہو گئے تھے اور قتل چوری زنا اور ربا اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت میں ثابت تھی اور ان افعال پر اُن کے یہاں کچھ نہ کچھ اظہار نفرت بھی جاری تھا لیکن جمہور مشرکین ان کو کرتے اور نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے تھے اور خدا تعالےٰ کے وجود کا عقیدہ اور اثبات کا کہ وہ آسمان اور زمین کا خالق ہے اور زبردست حوادث کا مدبر اور رسولوں کے بھیجنے پر قادر اور بندوں کو اُن کے

اعمال کی جزا دینے والا اور حوادث کو اُن کے وقوع سے پیشتر معین کرنے والا۔ اور یہ کہ فرشتے خدا کے مقرب بندے اور تعظیم کے مستحق ہیں۔ اُن کے نزدیک ثابت تھا۔ چنانچہ اُن کے اشعار ان مضامین پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر جمہور مشرکین نے ان عقائد میں بہت سے ایسے شبہات کو جو کہ ان امور کے استبعاد اور ادراک کی طرف رغبت نہونے سے پیدا ہوتی تھی بہم پہنچائے تھے۔ مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ وہ شرک اور تشبیہہ اور تحریف کے قائل اور معاد کے منکر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بعید از قیاس کہتے اور اعمال قبیحہ اور مظالم علانیہ کرتے اور نئے نئے فاسد رسوم ایجاد کرتے اور عبادات کو مٹاتے تھے۔

شرک یہ ہی کہ ماسوا اللہ کے لیے اُن صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالے کیساتھ مختص ہوں مثلاً عالم کے اندر تصرفات ارادی جس کو کن فیکون سے تعبیر کرتے ہیں۔ یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ حواس کے ذریعہ سے ہو نہ عقل کی رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطہ سے یا مریضوں کو شفا دینا یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اُس سے ناراض ہونا جس کے باعث سے اُسکو تنگدستی اور بیماری اور شقاوت گھیر لیں۔ یا رحمت بھیجنا جس سے اُسکو فراخ دستی تندرستی اور سعادت حاصل ہو مشرکین بھی جواہر اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو خدا تعالے کا شریک نہیں جانتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہی تو کسی میں اُس کے روکدینے کی قدرت نہیں ہی بلکہ ان کا شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم القدر اپنے مقربان خاص کو ملک کے مختلف حصوں کا فرمانروا مقرر کرتے ہیں اور بعض امور خاصہ کے فیصل کرنے میں جب تک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہو اُن کو مختار بنا دیتے ہیں اور اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتونکا خود انتظام نہیں کرتے اور اپنی کل رعایا کو حکام کے سپرد کردیتے ہیں اور حکام کی سفارش اُنکے ماتحت ملازمین اور

متوسلین کے حق میں قبول کی جاتی ہی۔ ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جل مجدہ نے بھی اپنے خاص بندوں کو رتبہ الوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہی اور ایسے لوگوں کی رضامندی وناراضی دوسرے بندوں کے حق میں موثر ہی اس لیے وہ ان بندگان خاص کے تقرب کو ضروری خیال کرتے تھے تاکہ بادشاہ حقیقی کی درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہوجائے اور جزاء اعمال کے وقت اُن کے حق میں شفاعت درجہ قبولیت حاصل کرے۔ اوران خیالی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ اُن کو سجدہ کرنا اور اُن کے لیے قربانی کرنا اور اُن کے نام کی قسم کھانا اور ضروری امور میں ان کی قدرت کن فیکون سے مدد لینا جائز سمجھتے تھے اور پتھر، پیتل اور سیسہ وغیرہ کی مورتیں بناکر اُن (بندگان خاص) کی روحوں کی طرف متوجہ ہونیکا ایک وسیلہ قرار دیا تھا لیکن رفتہ رفتہ جہلا نے اُن پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کردیا اور خلط عظیم واقع ہوا۔

اور تشبیہ سے مراد ہی صفات بشریہ کو ذات پاک کے لیے ثابت کرنا۔ چنانچہ مشرکین ملائکہ کو خدا تعالے کی بیٹیاں تبلاتے اور کہتے تھے کہ وہ اپنے بندوں کی شفاعت کو قبول کرتا ہی اگرچہ اس کی مرضی کے خلاف ہو جیسا کہ بادشاہ بڑے بڑے امرا دولت کی نسبت گاہ گاہ کیا کرتے ہیں اور چونکہ ایسے علم وسمع وبصر کا ادراک جو کہ شان الوہیت کے لائق ہو اُن کے ذہن میں نہ آسکتا تھا اس لیے انھوں نے اُسکو بھی اپنے علم وسمع وبصر پر قیاس کرلیا اور خدا تعالے کی جسمیت اور جہت کے قائل ہوگئے۔ اور تحریف کا واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے بزگوار دادا کی شریعت پر برابر قائم چلے آتے حتی کہ عمر بن لحی[1] لعنۃ اللہ علیہ نے پیدا ہو کر اُن کے لیے بت بنائے اور اُن کی عبادت کو لازم قرار دیا اور بحیرہ[2]

---

[1] دیکھو سیرۃ ابن ہشام جلد اول ۱۲ مترجم

[2] بحر عربی زبان میں کان چھدنے کو کہتے ہیں۔ اور بحیرہ سے وہ اونٹنی مراد ہی جو پانچ بچے جن چکی ہو۔ پانچواں بچہ اگر نر ہوتا تو اس کو ذبح کرکے صرف مرد کھاتے تھے عورتیں اسمیں شریک نہوتی تھیں ورنہ بچہ مادہ ہوتا تو اُس اونٹنی کا کان کاٹکر چھوڑ دیتے تھے ۱۲ مترجم

اور سائبہ[۱] اور حام[۲] کا چھوڑ دینا اور پانسوں کے ذریعہ سے تقسیم کرنا اور مثل اُن کی دیگر باتیں اُن کے لیے ایجاد کیں اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قریباً تین سو سال پیشتر ہوا۔

اور یہ جہلا، بالعموم اپنے آباء و اجداد کے آثار سے استدلال کرتے اور اُس کو اپنے قطعی دلائل میں شمار کرتے تھے انبیاء سابقین نے بھی اگرچہ حشر و نشر کے احوال بیان فرمائے ہیں لیکن نہ اس شرح و بسط سے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہی اس لیے جمہور مشرکین اُن مزید حالات پر مطلع نہ تھے بلکہ اُن کو فہم سے بعید جانتے تھے اس جماعت کو اگرچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی اعتراف تھا۔ لیکن صفات بشری (جو انبیاءؑ میں) اُن کے جمال باکمال کے لیے حجاب ہیں اُنکو مشوش کر دیتی تھیں اور وہ اس تدبیر الٰہی کی حقیقت سے جو بعثت انبیاء کے لیے مقتضی ہی نا آشنا رہکر کار رسالت کو استبعاد کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رسول کو مرسل یعنی اُس کے بھیجنے والے کے ساتھ مماثل جانتے تھے (چنانچہ) وہ اسباب میں واہی اور ناقابل سماعت شبہات پیش کرتے تھے مثلاً وہ کہتے تھے کہ جو شخص کھانے اور پینے کا محتاج ہو وہ نبی کیسے ہو سکتا ہی اور خدا تعالےٰ نے کیا وجہ فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجا اور کیا وجہ کہ ہر شخص پر الگ الگ وحی نہیں بھیجا علیٰ ہذا القیاس ایسے ہی اور شبہات۔ اور اگر تمکو مشرکین کے عقائد اور اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم

---

[۱] سائبہ سے مراد وہ مویشی ہی جس کو اہل جاہلیت بتوں کی نذر کر کے چھوڑ دیتے تھے نہ اُسپر سوار ہوتے اور نہ اُسکا دودھ پیتے اور نہ اُس سے اُون حاصل کرتے ۱۲ مترجم

[۲] حام سے مراد وہ نر اُونٹ ہی جس کو مثل سانڈ کے چھوڑ دیتے تھے نہ اُس پر سوار ہوتے نہ اُس سے اُون حاصل کرتے اور کسی چراگاہ یا حوض سے اُس کو نہ روکتے تھے ۱۲ مترجم

کرنے میں کچھ توقف ہو تو چاہیے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو علی الخصوص جو دارالاسلام کے نواح میں رہتے ہیں دیکھو کہ اُنھوں نے ولایت کی بنسبت کیا خیال باندھ رکھا ہی وہ لوگ باوجودیکہ اولیاء متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اور کہ تحریف اور تشبیہ نے کس قدر اُن میں رواج پکڑا ہی حتی کہ موافق حدیث صحیح لتتبعن سنن من قبلکم ان آفات میں سے کوئی بھی نہ رہی جس پر آج کوئی نکوئی جماعت کاربند اور اُس کے مانند دیگر امور کی معتقد نہو عاذنا اللہ سبحانہ عن ذلک۔

بالجملہ خدا تعالےٰ نے اپنی خاص رحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث کیا اور آپ کو ملتہ حنیفیہ کے قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ اور قرآن مجید میں جہلا عرب کے ساتھ مباحثہ کیا اور مباحثات میں اُن کے مسلمات سے جو ملتہ حنیفیہ کی بقایا تھے استدلال کیا تا کہ الزام اُن پر پوری طرح ثابت ہو جائے اور شرک کا جواب اول تو اُن سے اُس پر دلیل کا مطالبہ کرنا اور تقلید آباد کے استدلال کو توڑنا ہی اور دوسرا ان بندگان خاص کا خدا کے برابر نہونا۔ اور خدا تعالےٰ کا برخلاف ان بندگان خاص کے انتہائی مراتب تعظیم کے لیے مستحق ہونا۔ اور تیسرے تمام انبیا کا اس مسئلہ پر اجماع وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون[1] - اور چوتھے بتوں کے عبادت کی خرابی اور پتھروں کے مرتبہ انسانی سے بھی گرے ہوئے ہونے کا بیان (اور مرتبہ الوہیت کا تو ذکر ہی کیا ہی) اور یہ جواب خاص اُن اقوام کے مقابلہ میں دیا گیا ہی جو بتوں کو بالذات معبود خیال کرتے ہیں اور تشبیہ کا جواب اولاً تو اس پر دلیل کا مطالبہ۔ اور استدلال

[1] تم سے پیشتر ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اُس کی طرف وحی کی کہ سوائے میرے کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو ۱۲

تقلید آبا کو توڑنا۔ اور دوسرے یہ کہ اولاد کا اپنے باپ کے ساتھ ہمجنس ہونا ضروری ہی۔ اور وہ یہاں مفقود ہی۔ اور تیسرے ایسے امور کو جن کو وہ اپنے نزدیک مکروہ اور مذموم خیال کرتے ہیں حق تعالےٰ کے لیے ثابت ماننے کی قباحت کا بیان (الربک[1] البنات و لکم البنون) اور یہ جواب خاص ایسے اقوام کے لیے دیا گیا ہی جو مشہورات اور متوہمات شعری کو تسلیم کرنے کے خوگر تھے اور جنکی بڑی تعداد کی یہی حالت تھی اور تحریف کا جواب یہ ہی کہ ائمہ مذہب سے یہ معانی مذکور نہیں ہیں اور نیز یہ ایسے لوگوں کی اختراعات اور جدت پسندیاں ہیں جو معصوم نہ تھے اور حشر و نشر کے مستبعد ہونے کا جواب اولا توزمین وغیرہ کے جیوتہ پر قیاس۔ اور مدار حشر و نشر کی تنقیح ہی جو کسی شے کا فقط تحت قدرت اور ممکن الاعادہ ہونا ہی۔ اور دوسرے ان اُمور کی خبر دینے میں اہل کتاب کی موافقت ہی۔ اور استبعاد رسالت کا جواب انبیائے سابقین میں بھی ہو چکا ہی۔ "وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم"۔ "ویقول[2] الذین کفروا لست مرسلا قل کفا باللہ شہیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب" اور دوسرے اُن کے استبعاد کو یہ کہکر رد کرنا کہ یہاں پر رسالت سے مراد فقط وحی ہی۔ "قل[3] انما انا بشر مثلکم یوحی الیَّ" اور وحی ایسی شے ہی جو محال نہیں ہی "وما[4] کان لبشر ان یکلمہ اللہ" الخ اور تیسرے یہ بیان کردینا کہ اُن معجزات کا ظاہر ہونا جن کی وہ ضد کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ کا ایسے شخص کو نبی معین کرنے میں اُن کی موافقت نکرنا جس کی پیغمبری کے وہ خواہشمند ہیں۔ یا فرشتہ کو پیغمبر نہ بنانا یا ہر کسی پر وحی

---

[1] کیا تیرے پروردگار کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے۔

[2] کفار کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو تم اُس کے جواب میں کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہی اور جس کے پاس آسمانی کتابوں کا علم ہی ۱۲

[3] اے پیغمبر کہدو کہ میں مثل تمہارے انسان ہوں مگر یہ کہ مجھپر وحی کی جاتی ہی ۱۲

[4] کسی انسان کی یہ مقدور نہیں کہ خدا اُس کے ساتھ کلام کرے مگر بطور وحی کے ۱۲

نازل نکرنا۔ ایک ایسی کلی مصلحت کی بنا پر ہی جس کے ادراک سے اُن لوگوں کا علم و فہم قاصر ہی۔ اور چونکہ مکلفین اکثر مشرک تھے اس لیے ان مضامین کو بہت سورتوں میں مختلف طریقوں اور نہایت تاکیدات کے ساتھ ثابت فرمایا اور ان باتوں کے بار بار اعادہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ لاریب حکیم مطلق کا خطاب ان جاہلوں کے لیے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اور ان بے عقلوں کے مقابلہ میں انہیں شدید تاکیدات کی ضرورت تھی۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم اور یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے اور اُن کی بیراہی احکام توریت میں عام تحریف لفظی یا معنوی تھی۔ اور نیز بعض آیات کو چھپانا۔ اور یہ افترا پردازی کہ جو احکام اُس میں نہ تھے اُس میں ملانا اور نیز اُن احکام کی پابندی و اجرا میں تساہل۔ اور تعصب مذہبی میں شدت۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں تامل۔ اور بے ادبی۔ اور طعنہ زنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خداتعالےٰ کی شان میں اور اُن کا بخل و حرص میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ یہودی تحریف لفظی توریت کے ترجمہ وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں کیونکہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہی اور ابن عباس کا بھی یہی قول ہی۔ اور تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہی یعنی سینہ زوری اور راہ مستقیم سے انحراف کرکے کسی آیت کو اُس کے اصل معنی کے خلاف پر حمل کرنا۔ اور اُس کی ایک مثال یہ ہی کہ ہر مذہب میں درمیان فاسق دیندار اور کافر منکر مذہب کے فرق بیان کیا گیا ہی۔ مثلاً کافر کے لیے ثابت مانا گیا ہی کہ وہ عذاب شدید میں ہمیشہ مبتلا رہیگا۔ اور فاسق کے لیے جائز رکھا گیا ہی کہ وہ انبیا علیہم السلام کی شفاعت سے دوزخ میں سے نکالا جائے گا۔ اور اس آخری حکم کے اثبات کے وقت ہر ایک مذہب نے اپنے پیرو کے نام کی تصریح کی ہی مثلاً توریت میں یہودی اور عبری کو یہ مرتبہ بخشا گیا ہی۔ اور انجیل میں نصرانی کو۔ اور قرآن[1]

[1] وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔

مجید میں مسلمانوں کو یہ شرف عطا ہوا ہی اس حکم کا مدار فقط خدا تعالےٰ اور محشر پر ایمان لانے
اور اُس رسول کی جو اُن میں مبعوث کیا گیا ہو تابعداری اور مشروعات مذہبی پر عمل کرنے
اور منہیات سے اجتناب کرنے پر ہی اور ہرگز کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں لیکن باینہمہ
یہودیوں کا گمان ہی کہ جو شخص یہودی یا عبری ہوگا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ اور شفاعت انبیا اُسکو
دوزخ سے نجات دیگی حتی کہ چندروز کے سوا وہ دوزخ میں نہ رہسکیں گے گو مدار حکم کا وجود
نہو اور گو خدا تعالےٰ پر ایمان صحیح طریقہ سے نہو اور آخرت اور رسالت پر ایمان کا اُن کو کچھ
بھی ادراک نہوا ہو۔ حالانکہ یہ محض غلط اور خالص جہالت ہی۔

چونکہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کا محافظ اور اُن کے اشکالات کو واشگاف کرنیوالا
ہی اس لیے اُس نے اس گرہ کو بھی پوری طرح کھولدیا ہی۔ بلی من کسب سیئتہ واحاطت بہ خطیئتہ[1]
فاولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون۔

مثال ثانی ہر مذہب میں اُس زمانہ کے مصالح پر نظر کے احکام بھیجے گئے ہیں اور تشریع
یعنی شریعت کا قانون بنانے میں اقوام کی عادات کی موافقت کا لحاظ رکھا گیا ہی اور بہت
تاکید کے ساتھ اُن کے اتباع اور اُن پر ہمیشہ عمل کرنے واعتقاد رکھنے کا حکم فرمایا ہی اور انہیں
میں دائمی طور پر انحصار حق فرمایا ہی۔ لیکن اس سے صرف یہ غرض ہی کہ فقط اُس زمانہ میں
اُن اعمال میں حق منحصر ہی۔ غرضکہ دوام ظاہری مراد ہی نہ کہ دوام حقیقی یعنی مراد یہ تھی کہ تا وقتیکہ
دوسرا نبی مبعوث نہو اور اُس کے چہرۂ نبوت سے پردۂ خفا نہ اُٹھ جائے۔ یہ احکام واجب العمل
رہیں گے مگر انہوں نے اس ظاہری دوام سے یہ سمجھا کہ گویا یہودیت ناقابل نسخ ہی۔ اور
درحقیقت یہودیت کے اتباع کی وصیت کے یہ معنی تھے کہ ایمان اور نیک اعمال کا التزام

---

[1] ہاں جس نے بدی کمائی اور اُس کی خطاؤں نے اُسکو گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ
اُس میں رہیں گے

کیا جاوے۔ اور اس مذہب کی کوئی ذاتی خصوصیت ہرگز معتبر نہیں ہی۔ لیکن اُن لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کرکے غلطی سے یہ گمان کرلیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت ہی کی وصیت فرمائی ہی۔

مثال ثالث خدا تعالےٰ نے ہر ایک ملہ میں انبیاء اور اُن کے متبعین کو مقرب اور محبوب کا خطاب عطا کیا او رمنکرین کو صفات مبغوضہ سے یاد فرمایا ہی۔ اور ان خطابات میں ایسے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں جن کا استعمال ہر ایک قوم میں شائع تھا۔ تو اگر محبوب کے بجائے لفظ ابن ذکر کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں اس سے یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ عزت صرف یہودی اور عبری اور اسرائیلی کے ناموں کے ساتھ مخصوص ہی۔ اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سے کامل اتباع اور خضوع اور انبیاء کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے کے سوا اور کچھ مراد نہیں اور ایسی ہی بہت سی تاویلات فاسدہ اُن کے قلوب میں راسخ ہوگئی تھیں جن کو وہ اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آے تھے قرآن مجید نے ان شبہات کو پوری طرح رفع کردیا۔

کتمانِ آیات کی یہ صورت تھی کہ بعض احکام اور آیات کو کسی ذی عزت اور شریف کے اعزاز کی حفاظت یا کسی ریاست کے حاصل کرنے کی غرض سے پوشیدہ کردیتے تھے کہ عوام کا اعتقاد اُن سے زائل نہو جائے اور کچھ لوگ اس پر عمل ترک کردینے سے نشانۂ ملامت نہ بن سکیں۔ مثلاً زانی کو سنگسار کرنے کا حکم توریت میں مذکور تھا۔ مگر ان لوگوں نے اس وجہ سے کہ اُن کے تمام علماء نے رجم کو موقوف کرکے اُس کی جگہ پر دُرے مارنا اور منھہ کالا کردینا تجویز کر رکھا تھا اس حکم کو ترک کردیا اور رسوائی کے خوف سے اُس کو چھپا لیا تھا یا مثلاً جن آیتوں میں حضرت ہاجرہ و اسمعیل علیہما السلام کو بشارت دی گئی ہی کہ اُن کی اولاد میں ایک نبی مبعوث ہوگا اور جن میں اشارہ ہے ایک ایسے مذہب کی جانب جو سرزمین حجاز میں کامل اشاعت پاوے گا۔ اور

اس کے سبب سے عرفات کی پہاڑیاں صداے لبیک سے گونج اُٹھیں گی اور تمام اقلیموں کے لوگ اُس مقام کی زیارت کا قصد کرینگے باوجودیکہ یہ آئتیں توریت میں ابتک موجود ہیں یہودی اُن کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو فقط اس مذہب کے آنے کی خبردی گئی ہی اس کے اتباع کا امر کہاں ہی۔ اور یہ مقولہ اُن کے زبان زد تھا الملحمۃ[۱] کتبت علینا۔ لیکن چونکہ اس کیک تاویل کو کوئی نہ سنتا تھا اور نہ کسی کے نزدیک یہ صحیح تھی۔ اس لیے وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس راز کے اخفاء کی وصیت کرتے اور ہر کس و ناکس کے روبرو اُس کا اظہار نکرتے تھے[۲] اتحد ثونہم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم بہ عند ربکم۔

افسوس یہودی کس بلا کے جاہل تھے۔ کیا خدا تعالے کا ہاجرہ و اسمٰعیل علیہما السلام پر اس مبالغہ کے ساتھ احسان رکھنا کوئی دوسرے معنی بھی رکھتا ہی جس پر ان آیات کو حمل کرکے یہ کہہ سکیں کہ ان سے اس مذہب کے اتباع کی تحریص نہیں نکلتی۔ سبحانک ہذا افک عظیم افترا اس کا سبب وہ بیحد تشددہی جس نے اُن کے علماء اور مشائخ کے اطوار میں راہ پا لی تھی اور استحسان یعنی بدون شارع کی تصریح کے بعض احکام کا صرف اس لیے کہ اُن میں کوئی مصلحت ہی استنباط کرنا۔ اور ان بیہودہ استنباطات کو اول رواج دینا۔ اور پھر اُن کو اصل کتاب میں ملا دینا اور اپنے سلف کے اتفاق کو دلیل قطعی خیال کرنا۔ خاص حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کے انکار پر اُن کے یہاں سوائے اقوال سلف کے اور کوئی دلیل نہ تھی۔ علی ہذا دوسرے بہت سے احکام ہیں مگر احکام توریت میں سہل انکاری اور

---

۱ ملحمہ بمعنی جنگ۔ یہود کہتے تھے کہ مسلمان جو ہم پر غالب آرہی ہیں تو ہم پر کفار یعنی غیر یہود کا غلبہ ہونا خود توریت میں لکھا ہی ۱۲ مترجم

۲ کیا جو کچھ خدا نے تم پر توریت میں ظاہر کیا ہے اُس کی خبر تم مسلمانوں کو کیئے دیتے ہو کہ تمہارے پروردگار کے روبرو اسی بات کی سند پکڑ کر تم سے جھگڑا کریں ۱۲

بخل اور حرص کا ارتکاب صاف ظاہر ہی کہ یہ سب نفس امارہ کے اقتضاءات ہیں۔ نفس امارہ بلا شبہ ہر شخص پر غالب ہی۔ الا ما شاء اللہ۔ ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی[ل]۔ مگر اس مصلحت نے اہل کتاب میں دوسرا ہی رنگ چڑھایا تھا۔ یعنی وہ اپنے استنباطات کی تصریح میں تاویلات فاسدہ کے ذریعہ سے بڑا زور لگاتے تھے اور اس کو شریعت کے رنگ میں ظاہر کرتے تھے۔

استبعاد رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا سبب وہ باہمی اختلاف ہی جو انبیاء علیہم السلام کی عادات اور احوال میں پایا جاتا ہی۔ مثلاً نکاح کے زیادہ یا کم کرنے میں فرق۔ اور اسی کے مثل اور باتیں۔ اور اُن کے شرائع کا باہم اختلاف۔ اور معاملات انبیا میں سنۃ اللہ کا اختلاف۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمانا حالانکہ اب تک جمہور انبیا بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) سے ہوتے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس مسئلہ میں حق یہ ہی کہ نبوت دراصل نفوس عالم کی اصلاح اور عادات اور عبادات کی درستی کا مرتبہ رکھتی ہی وہ نیکی اور بدی کے اصول کے ایجاد کا منصب نہیں رکھتی قاعدہ کی بات ہی کہ ہر ایک قوم اپنی عبادات۔ تدبیر منزل۔ اور سیاست مدنی میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہی۔ اگر نبوت اس قوم میں آئے تو وہ اُن کی تمام قدیم عادات کو اُکھاڑ کر اُن کی بجائے جدید اصول قائم نکرے گی بلکہ اُس کا یہ کام ہوگا کہ وہ اُن خصائل کو باہم متمیز کر دے جو باقاعدہ اور خدا کی مرضی کے موافق ہوں اُن کو جاری رہنے دے۔ اور جو اُس کے مخالف ہوں اُن میں بقدر ضرورت تغیرات کرے۔

اور تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی اُسی اسلوب پر کی جاتی ہی جو اُن کے یہاں شائع ہو اور جس سے وہ مانوس ہوں۔ یہی نکتہ ہی جس کے باعث انبیا کی شریعتیں باہم

[ل] بلا شبہ نفس بُرائی کی ترغیب دینے والا ہی مگر میرا پروردگار جس پر رحم کرے

مختلف ہوگئی ہیں۔ اور اس اختلاف کی مثال اُس طبیب کے اختلاف علاج کے مانند ہے جبکہ وہ دو مختلف الحال مریضوں کی تدبیر کرتا ہے اُن میں سے ایک کے لیے تو سرد دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے۔ اور دوسرے کے واسطے گرم غذا اور دوا کا حکم دیتا ہے۔ طبیب کی غرض دونوں جگہ متحد ہے یعنی طبیعت کی اصلاح و ازالہ مرض کے سوا اُس کو اور کچھ منظور نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر اقلیم میں وہاں کے باشندوں کے مناسب دوائیں اور غذائیں الگ الگ تجویز کرتا اور ہر فصل و موسم میں اُس کے مقتضار کے موافق تدبیر اختیار کرتا ہے اسی طرح جب حکیم حقیقی نے بیماران امراض نفسانی کا معالجہ کرنا چاہا اُن کی تقویت طبع۔ اور تقویت ملکہ۔ اور ازالہ مفاسد اسکو منظور ہوا تو اُن اقوام اور اُن کی عادت کے اختلاف کے باعث اور ہر زمانہ کے مشہورات و مسلمات کی وجہ سے معالجہ مختلف ہوگیا۔

غرضکہ اگر تم اس اُمت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو اُن علماء سوء کو دیکھو جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب و سنت سے روگردانی کرنے والے ہیں اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا اُن کے بے اصل استنباط کو سند ٹھیرا کر معصوم شارع کے کلام سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا مقتدا بنا رکھا ہے۔

نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اُن کی گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے خدائے تبارک و تعالےٰ کو تین ایسے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جو بعض وجوہ سے متغائر اور بعض وجوہ سے متحد ہوں اُن حصوں کو وہ اقانیم ثلثہ کہتے تھے۔ یعنی ایک اقنوم باپ جو اُن کے نزدیک مبدأیت عالم کے ہم معنی تھا۔ اور ایک اقنوم بیٹا جو بمعنی صادر اول تھا جو ایک امر عام اور تمام موجودات میں شامل ہے۔ اور ایک اقنوم روح القدس تھا جو عقول مجردہ کے ہم معنی۔ اُنکا عقیدہ تھا کہ اقنوم ابن نے حضرت مسیح کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا۔ یعنی جیسا کہ جبریل علیہ السلام آدمی کی

شکل میں آتے تھے ایسے ہی ابن نے عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظہور کیا تھا اسلیے عیسیٰ علیہ السلام خدا ہی ہیں۔ اور ابن اللہ بھی اور بشر بھی اور اسی لیے احکامات بشری اور خداوندی دونوں اُن کی نسبت جاری ہوتے ہیں اور اس عجیب عقیدہ میں اُن کا تکیہ انجیل کی بعض ایسی آیتوں پر ہی جن میں لفظ ابن مذکور ہوا ہی اور جن میں حضرت مسیح نے بعض افعال الٰہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہی۔ پہلے اشکال کا جواب اس امر کے مان لینے کی صورت میں کہ یہ کلام فی الحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی تحریف شدہ نہیں ہی یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں لفظ ابن مقرب اور محبوب اور مختار کے ہم معنی تھا۔ چنانچہ اس دعوے پر کثرت سے قرائن انجیل میں پائے جاتے ہیں۔ اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہی کہ یہ نسبت بطریق نقل و حکایت ہی مثلاً کسی بادشاہ کا ایلچی اُس کے کلام کو یوں نقل کرے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کیا فلاں قلعہ توڑا اس صورت میں ظاہر ہی کہ ایلچی ترجمان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا یہ طریقہ ہو کہ عالم بالا سے اُن کے لوح دل پر مضامین خود منقش ہو جاتے ہوں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت انسانی میں آکر کلام القا نہ فرماتے ہوں۔ اس لیے اُس نقش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام سے وہ کلام صادر ہوگا جس میں افعال الٰہیہ کو اپنی جانب نسبت کرنے کا اشارہ ہو "والحقیقۃ غیر خفیۃ" بالجملہ خدا تعالےٰ نے اس باطل مذہب کا رد فرمایا۔ اور کہا کہ عیسےٰ خدا کا بندہ۔ اور اُس کی وہ پاک روح ہی جس کو اُس نے مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا۔ اور اُس کی روح القدس سے تائید فرمائی اور نیز خاص عنائتیں اُس پر رکھیں۔ اور بالفرض اگر خدا تعالےٰ ایسی روح کے قالب میں جو باقی ارواح کے ہم جنس ہی آیا ہو اور بشریت کا لباس اختیار کیا ہو۔ اور ہم اس نسبت کو انکشاف کریں تو لفظ اتحاد اسوقت ہرگز مستعمل نہو سکے گا مگر بتسامح۔ بلکہ الفاظ تقویم وغیرہ ان معنی کے قریب تر ہیں۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔

نوٹ ملاحظہ ہو بصفحہ آئندہ

اگر اس گروہ کا نمونہ اپنی قوم میں دیکھنا چاہو تو آج اولیاء اللہ اور مشائخ کی اولاد کو دیکھ لو
کہ وہ اپنے آبا کے حق میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں اور ان کو کہاں تک طول دیا ہی وسیعلم الذین
ظلموا ای منقلب ینقلبون (اور بہت جلد جانیں گے وہ لوگ کہ ظلم کرتے ہیں کون سی پھرنے کی
جگہ پھر جائیں گے)

اور نیز ایک گمراہی نصاریٰ کی یہ ہی کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مقتول
ہو گئے ہیں حالانکہ فی الواقع اُن کے قتل کے واقعہ میں ایک اشتباہ ہو گیا تھا جس سے اُنھوں نے
آسمان پر اُٹھائے جانے کو قتل سمجھ لیا اور نسلاً بعد نسلٍ اِس غلط روایت کو مسلسل نقل کرتے رہے
خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس شبہ کا ازالہ فرمایا۔ وما قتلوہ[۲] وما صلبوہ ولکن شبہ لہم اور انجیل
میں اس قصہ کے متعلق جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مقولہ ہی اُس سے مراد یہودیوں کی دلیری
اور اُن کے اقدام قتل کی خبر دینا ہی باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے اس سانحہ سے اُنکو نجات عطا
فرمائی۔ اور جو کہ حواریین کا مقولہ مذکور ہی اُس کا منشا یہ ہی کہ اُن کو اشتباہ ہو گیا اور رفع کی
حقیقت پر اُن کو اطلاع نہ تھی جس سے کہ اُن کے ذہن اور اُن کے کان اب تک مانوس
نہ تھے۔

اور نیز اُن کی ضلالت میں سے ایک یہ امر بھی ہی کہ وہ کہتے ہیں کہ فارقلیط موعود سے

(نوٹ صفحہ ۱۷)

[۱] مقوم وہ ہی جس کے ذریعہ سے کوئی دوسری چیز قائم ہو۔ جیسے جوہر عرض کا مقوم ہی یا طلسمی کاغذ کسی تماشہ کا
مقوم ہو۔ عام غلطی یہ ہی کہ تقویم کو جوہر و عرض کی نسبت میں منحصر کر دیا ہی اور چونکہ جوہر و عرض میں ایک طرح کا اتحاد ہی اسیلیے تقویم
کو اتحاد سمجھ لیا ہی۔ حالانکہ طلسم اپنے تماشہ سے بالکل صاف علیحدہ ہوتا ہی اور یہ نسبت تقویم ہی کی ہی اگر اسکو بھی اتحاد ہی کہا جائے
تو پھر کوئی چیز علیحدہ ہی نہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی نسبت آخر پائی ہی جائے گی ۱۲

[۲] حال یہ ہی کہ اُنھوں نے مسیح کو نہ تو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا مگر یہ کہ اُن کو ایسا ہی معلوم ہوا۔ ۱۲

وہ عیسٰی علیہ السلام مراد ہیں جو قتل ہو جانے کے بعد اپنے حواریین کے پاس آئے اور اُنکو انجیل کے کامل اتباع کی وصیت فرمائی۔ اور کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد مدعیان نبوت بکثرت ہوں گے لیکن اُن میں جو شخص میرا نام لے اُس کی تصدیق کرنا ورنہ نہیں۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی بشارت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہے نہ کہ حضرت عیسٰی کی روحانی صورت پر۔ کیونکہ انجیل میں کہا گیا ہے کہ فارقلیط تم میں مدت دراز تک رہکر علم سکھاوے گا اور لوگوں کے نفوس کو پاک کرے گا۔ اور یہ بات ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے ظاہر نہیں ہوئی ہاں باقی عیسٰی علیہ السلام کا نام اختیار کرنا اس سے یہ مراد ہے کہ اُن کے نبوت کی تصدیق کرے نہ یہ کہ اُن کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے۔

منافقین دو قسم کے تھے ایک وہ جو زبان سے کلمۂ ایمان کہتے تھے مگر اُنکا قلب کفر اور سرکشی پر پختہ تھا اور کفر وجود اُن کے دل میں چھپے ہوئے تھے۔ ایسے لوگوں کے حق میں فی الدرک الاسفل من النار[1]۔ دوسرا گروہ جس نے اسلام قبول کیا مگر ان کا ایمان ضعیف تھا مثلاً وہ اپنی قومی خصائل وعادات کے پابند تھے اگر وہ مسلمان ہوں تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں اور وہ کافر رہیں تو یہ بھی کافر رہتے ہیں اور یا مثلاً دنیاوی لذات کا اتباع اُن کے قلوب میں بھر گیا ہے کہ اُس نے خدا اور اُس کے رسول کی محبت کے لیے جگہ ہی نہیں باقی رہنے دی۔ یا حرص مال اور حسد وکینہ وغیرہ اُن کے دلوں پر اس قدر مسلط ہو گیا تھا کہ اس نے اُنکے دلوں میں مناجات کی حلاوت اور عبادت کی برکات کے لیے جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ اور یا مثلاً امور دنیا میں وہ ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ اُنکو معاد کی امید اور اس کے لیے فکر کرنے کی فرصت تک باقی نہ رہی تھی۔ اور یا مثلاً ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نسبت بیہودہ خیالات اور رکیک شبہات

[1] دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہونگے

اُن کے قلوب میں گذرتے تھے باوجودیکہ وہ اس حد تک نہ پہنچے تھے کہ وہ اسلامی طوق کو گردن سے نکالکر اس کشمکش سے صاف نکل جائیں منافقین کے ان شبہات کا سبب یہ ہوا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں بشری احکام پائے جاتے اور اسلام کا ظہور شاہی غلبہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔ اوریا اُن کو اپنے قبائل اور گھرانوں کی محبت نے اُن کی امداد اور تقویت اور تائید پر ایسا ثابت قدم رکھا کہ گو اہل اسلام کے خلاف ہی کیوں نہو مگر وہ سعی بلیغ کر کے اسلام کو ضعف پہنچاتے تھے۔

نفاق کی یہ دوسری قسم نفاق عمل اور نفاق اخلاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نفاق کی پہلی صورت کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ منجملہ علم غیب ہے اور ظاہر ہے کہ دلوں کے مخفی خیالات کی اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور نفاق ثانی کثرت سے پایا جاتا ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں اور حدیث میں جو علامات مذکور ہیں وہ اسی نفاق کی جانب اشارہ ہے۔ "ثلث[1] من کن فیہ کان منافقا خالصاً اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف واذا خاصم فجر"۔ "وہم المنافق بطنہ وہم المومن فرسہ"[2] الی غیر ذلک من الاحادیث"۔ خدا تعالےٰ ایسے منافقوں کے اخلاق و اعمال کو قرآن مجید میں خوب آشکارا کیا ہے اور ان ہر دو گروہ کے احوال بکثرت بیان فرمائے ہیں تاکہ تمام اُمت اُن سے احتراز کرے۔

اگر تم کو ان منافقین کے نمونہ کے دیکھنے کا شوق ہے تو امرا کی مجالس میں جا کر ان کے مصاحبین کو دیکھہ لو جو امراء کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور

---

[1] تین خصلتیں ہیں جس میں یہ پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

[2] منافق صرف اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر رکھتا ہے۔

انصاف کی رو سے ایسے منافقین میں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ کلام سُنکر نفاق اختیار کیا اور اُن میں جو اب پیدا ہوئے مگر انہوں نے یقینی ذرائع سے احکام شارع کی اطلاع پا کر مخالفت اختیار کی کوئی فرق نہیں ہی علی ہذا القیاس معقولیوں کی وہ جماعت بھی جن کے دلوں میں بہت سے شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور جنہوں نے معاد کو نسیاً منسیا کر دیا ہی گروہ منافقین میں داخل ہی۔

بالجملہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ گمان نکرنا چاہیے کہ اُس میں مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گذر چکی۔ بلکہ بمصداق حدیث لتتبعن سنن من قبلکم زمانہ نبوی میں کوئی بلا نہ تھی مگر یہ کہ اُس کا نمونہ آج بھی موجود ہی۔ اس لیے مقصود اصلی اُن مقاصد کے لیے کلیات کا بیان ہی نہ کہ ان حکایات کی خصوصیات یہ وہ تقریر ہی جو اس کتاب کے لیے اُن گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور اُن کے جوابات ہیں مجھسے ہو سکی۔ اور میرے نزدیک یہ تحقیق آیات مباحثہ کے معانی سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہی انشاء اللہ تعالےٰ

فصل دوم

باقی علوم پنجگانہ کے مباحث میں

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کا نزول انسان کی مختلف جماعتوں کی تہذیب کے لیے خواہ عربی ہوں یا عجمی شہری ہوں یا بدوی ہوا ہے۔ بدینوجہ حکمت الٰہی اس امر کو مقتضی ہوئی کہ تذکیر با لاء اللہ میں اکثر افراد بنی آدم کی معلومات سے زیادہ بیان نہ کرے اور زیادہ بحث اور تحقیق سے کام نہ لے۔ اور اسماء اور صفات الٰہی کو ایسے سہل طریقہ سے بیان فرمایا کہ افراد انسانی بغیر مہارت حکمۃ الٰہی۔ اور بدون مزاولت علم کلام کے صرف

اُس فہم ادراک کے ذریعہ سے جو اصل فطرت میں اُنکو عطا ہوا ہی بخوبی سمجھ سکیں پس ذات مبدا (خالق) کا اثبات اجمالاً فرمایا۔ کیونکہ اس کا علم تمام افراد بنی آدم کی فطرت میں ساری ہی اور معتدل اور قریب باعتدال ممالک میں بنی آدم کا کوئی گروہ تم ایسا نہ پاؤ گے جو اس کا منکر ہو اور چونکہ صفات الہیہ کا اثبات بطریقہ تحقیق حقائق۔ اور امعان نظر اُن کے لیے محال تھا۔ اور اگر وہ صفات الہیہ پر بالکل اطلاع نہ پاتے تو معرفت ربوبیت جو ہمارے نفوس کی تہذیب کے لیے سب سے زیادہ سودمند شے ہی نہ حاصل ہو سکتی۔ اس لیے حکمت باری مقتضی ہوئی کہ اُن بشری صفات کاملہ میں سے جن کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے نزدیک قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں چند صفات کا انتخاب کیا جائے اور اُن کو ایسے دقیق معانی کے بجائے استعمال کیا جائے جن کی عظمت اور جلال کی بلندی تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی اور لیس کمثلہ شئ کو جہل مرکب کے سخت اور مزمن مرض کے لیے تریاق مقرر کیا جائے۔ اور جن بشری صفات کے ذات الٰہی کے لیے ثابت کرنے سے اوہام کی طغیانی عقائد باطلہ کے جانب ہوتی ہی مثلاً اثبات ولد گریہ وزاری جزع و فزع اُن سے منع فرمایا۔ اگر آپ زیادہ غور و خوض کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے لیے اپنے فطری اور غیر مکتسب علوم کی شاہراہ پر قدم زن ہونا اور ان صفات کو جن کا اثبات کیا جا سکتا ہی اور ان سے کوئی خلل نہیں آتا۔ اُن صفات سے تمیز کرنا جن سے اوہام باطلہ کی طغیانی ہوتی ہی ایک نہایت دقیق امر ہی جس کی تہ کو عوام کے ذہن نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے یہ علم یعنی علم ذات وصفات توقیفی قرار دیا گیا اور آزادانہ بحث وگفتگو کی اجازت اسباب میں نہیں دے گی۔

اور آلاء اللہ اور آیات قدرت میں سے صرف وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جنکو شہری بدوی اور عرب وعجم یکساں طور پر سمجھ سکیں لہذا نفسانی نعمتیں جو اولیاء اور علماء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ارتفاقی[1] لذتیں جو صرف بادشاہوں کا حصہ ہیں ذکر نہیں فرمائی گئیں

[1] الارتفاق التدبیر النافع

بنابریں جن نعمتوں کا ذکر مناسب تھا یہ ہیں مثلاً آسمان و زمین کی پیدائش بادلوں سے پانی برسانا اور زمین سے پانی کے چشمے جاری کرنا اور اس سے طرح طرح کے پھل پھول اور غلے اُگانا اور ضروری صنعتوں کا الہام۔ اور پھر اُن کے جاری کرنیکے قدرت بخشنا۔ اور اکثر مقامات میں ہجوم مصائب اور اُن کے دور ہونے کے وقت لوگوں کے رویہ کے بدل جانے پر اکثر مقامات میں تنبیہ فرمائی ہے۔ اس لئے کہ یہ امراض نفسانی میں سے کثیر الوقوع ہے۔

اور ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو خداوند تعالےٰ نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً فرمانبرداروں کے لیے انعام۔ اور نافرمانوں کے لیے عذاب اُن میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا کہ جو پیشتر سے اُن کے گوش زد ہو چکی تھیں۔ اور وہ اجمالی طریقہ سے اُنکا تذکرہ سُن چکے تھے مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے۔ اور حضرت ابراہیم اور انبیاء بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جنسے بوجہ یہود اور عرب کے قرن ہا قرن کے اختلاط کے اُن کے کان آشنا تھے نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا اور نہ فارس و ہنود کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں۔ اور مشہور قصوں میں سے بھی صرف ان ضروری حصوں کو جو تذکیر میں کارآمد ہوں ذکر فرمایا ہے اور تمام قصوں کو اُن کی تمام خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں یا کوئی داستان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ اُن کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو اُن کی طبیعت محض اس داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور تذکیر کا مقصد جو داستان کے بیان کرنے کی اصل غرض ہے نوت ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی عارف نے کہا ہے جیسے لوگوں نے تجوید کے قواعد سیکھے ہیں خشوع کے ساتھ تلاوت قرآن مجید سے محروم ہو گئے اور جب سے مفسرین نے بعید وجوہ میں موشگافی کی ہے علم تفسیر النادر کالمعدوم ہو گیا ہے۔

جو قصے قرآن مجید میں تبکرار بیان ہوئے ہیں یہ ہیں - آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین سے - اُن کو تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا - شیطان کا اُس سے انکار کرکے ملعون ہونا - اور اس کے بعد سے بنی آدم کے اغوا میں سعی کرنا - حضرت نوحؑ - حضرت ہوؑد - حضرت صالحؑ - حضرت ابراہیمؑ - حضرت لوطؑ - حضرت شعیبؑ کا اپنی اپنی اقوام سے توحید و امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مباحثات کرنا - اور اُن اقوام کی سرکشی - اور رکیک شبہات اور پیغمبروں کے جوابات - اشقیا پر عذاب الٰہی کا نزول اور خداوندی نصرت کا ظہور - انبیا اور اُن کے پیروں کے حق میں - حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے فرعون اور بنی اسرائیل کے نادانوں سے - اور اُن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں مکابرہ کے ساتھ پیش آنا - خدا تعالےٰ کا ایک عرصہ تک اُن بدبختوں کو عقوبت میں مبتلا رکھنا اور پیہم اُن برگزیدہ حق تعالےٰ کے حق میں ظہور نصرت خداوندی ہونا - حضرت سلیمانؑ و حضرت داوٗدؑ علیہما السلام کا قصہ خلافت اور اُن کے معجزات اور کرامتوں کا احوال - حضرت ایوب و حضرت یونس علیہما السلام کی شفقت کا واقعہ اور اُن پر خداوندی رحمت کے نزول کا ذکر - دعاء حضرت زکریا کا مستجاب ہونا - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب عجیب قصے - انکا بغیر باپ کے پیدا ہونا - اور گہوارہ میں کلام فرمانا - اور اُن سے خودان عادات کا ظہور - یہ تمام قصے اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورہ کے اسلوب کے اقتضا کے موافق مختلف طریقوں سے بیان کیے گیے ہیں -

اور جو واقعات فقط ایک یا دو جگہ مذکور ہیں یہ ہیں - حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا - حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ - اور پرندہ کو زندہ کرتے دیکھنا - اور اپنے فرزند (اسمٰعیل) کو ذبح کرنا - اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش - اُن کو دریا میں ڈال دینا - اُن کا

ایک قبطی کو قتل کرنا۔ اور پھر مدین کو فراری۔ وہاں جاکر نکاح کرنا۔ اور وہاں سے واپسی میں ایک درخت پر آگ کو روشن دیکھنا۔ اور اُس سے باتیں سُننا۔ اور بنی اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنے کا قصہ۔ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے ملاقات کرنا۔ اور طالوت وجالوت اور بلقیس اور ذوالقرنین۔ اور اصحاب کہف کے قصص اور اُن دو شخصوں[1] کا قصہ جنہوں نے باہم نزاع کیا تھا۔ اور اصحاب[2] جنت کا قصہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین رسولوں[3] کا قصہ اور اُس مومن کا قصہ جس کو کفار نے شہید کیا تھا۔ اور اصحاب فیل کا واقعہ پس ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات سے آگاہی حاصل ہو جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن شرک اور معاصی کی بُرائی کی جانب منتقل ہوں۔ اور وہ کفار پر عذاب خداوندی کا۔ اور مخلصین کے خدا تعالےٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا ادراک کریں۔

اور موت اور اُس کے بعد کے واقعات میں سے یہ امور بیان فرمائے۔ انسانی موت کی کیفیت۔ اور اس وقت اُس کی بیچارگی کا عالم اور بعد موت کے جنت دوزخ کو سامنے کرنا اور عذاب کے فرشتوں کا آنا۔ اور علامات قیامت جو بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول۔ دجّال اور یاجوج وماجوج کا ظہور۔ اور صورِ فنا۔ اور صورِ حشر ونشر اور سوال وجواب اور میزان اور نامہ اعمال کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں لینا۔ اور مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا۔ اور دوزخیوں میں پیشواؤں اور مقلدوں کا باہمی تکرار۔ اور ایک دوسرے کا راہ مارنے سے انکار۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنا۔ اور مومنین کا

[1] وقال لہ صاحبہ وہو یحاورہ انا اکثر منک مالاً واعز نفراً (سورہ کہف)

[2] انا بلوناہم کما بلونا اصحاب الجنۃ (سورہ نون) [3] سورہ یٰسین۔

دیدار خداوندی کے شرف سے مختص ہونا۔ اور عذاب کی نوعیتوں کی تعداد گہ وہ بیڑیاں طوق کھولتا ہوا گرم پانی۔ غساق اور زقوم ہے اور نعمہائے جنت کی انواع کہ وہ حوران بہشتی۔ اور عالیشان قصر اور آب سرد و شیریں وغیرہ کی نہریں۔ اور نہائت خوشگوار کھانے اور لباسہائے فاخرہ اور خوش جمال عورتیں اور جنتیوں کی باہمی دلکشا صحبتیں ہیں ان قصوں کو مختلف صورتوں میں اُن کے اسلوب کے اقتضا کے حسب حال اجمالاً یا تفصیلاً متفرق طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

مباحث احکام کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملت حنیفی (ابراہیمی) پر مبعوث ہوئے ہیں اسلیے اُس ملت کے طریقوں کا باقی رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ اُس کے اُمہات مسائل میں سوا تخصیص تعمیمات اور اوقات و حدود کی زیادتی وغیرہ کے اور کسی قسم کے تغیرات کا گذر نہو سکے۔ اور چونکہ عرب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اور باقی تمام اقالیم کو عربوں کے ہاتھ سے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ شریعت محمدی کا مواد انہیں کی رسوم و عادات سے لیا جائے۔ اگر کوئی شخص ملت حنیفی کے جملہ احکام اور عربوں کے رسوم و عادات دیکھے اور پھر شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ اصلاح و تکمیل کا رتبہ رکھتی ہے ایک غائر نظر ڈالے تو وہ ہر ایک حکم کے لیے کوئی سبب اور ہر امر و نہی کے لیے کسی خاص مصلحت کا ادراک کرے گا۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے جسکی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

غرضکہ ملت ابراہیمی کی تمام عبادات میں خواہ وہ طہارت ہو یا نماز۔ روزہ ہو یا زکوٰۃ حج ہو یا ذکر۔ ایک فتور عظیم برپا ہو گیا تھا۔ کیونکہ اُس کے احکام کے اجرا میں تساہل برتا جاتا تھا اور بوجہ اکثر آدمیوں کے ناواقف ہونے کے باہم اختلاف کرتے تھے اور اہل جاہلیت نے ان میں تحریف کر دی تھی۔ قرآن مجید نے اس تمام بدنظمی کو دور کر کے کامل اصلاح اور درستی کی۔ اور تدبیر منزل کے قواعد میں بھی نقصان وہ رسوم اور ظلم و سرکشی نے بری طرح

دخل پالیا تھا۔ اور احکام سیاست مدن بھی بالکل مختل ہو چکے تھے قرآن مجید نے آکر اُنکے اصول کو بھی منضبط کیا اور اُن کی پوری حدبندی فرمائی اس قسم کے انواع کبائر اور بہت سے صغائر مذکور ہوئے ہیں۔ اور مسائل نماز کا اجمالی تذکرہ کیا گیا۔ اور لفظ اقامت صلوٰۃ بولا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان و جماعت اور اوقات نماز اور بناء مساجد سے اُس کی تفصیل فرمائی ہے۔ اور مسائل زکوٰۃ بھی مختصر طریقہ سے ذکر کیے گئے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل فرمائی ہے اور روزہ سورہ بقر میں اور حج کعبہ سورہ بقر اور سورہ حج میں مذکور ہوا۔ اور جہاد کا سورہ بقر اور انفال اور دوسرے متفرق مقامات پر۔ اور حدود کا سورہ مائدہ اور نور میں اور میراث کا سورہ نسا میں۔ اور نکاح و طلاق کا سورہ بقرہ اور سورہ طلاق وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

جبکہ یہ قسم جس کا فائدہ تمام افراد اُمت کے لیے عام ہے ختم ہو گئی تو اُس کے بعد دوسری قسم یہ ہے کہ مثلاً کوئی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پیش کیا گیا اُس کا آپنے جواب فرمایا۔ یا کسی خاص حادثہ میں جب کہ اہل ایمان نے اپنا جان و مال بیدریغ صرف کیا۔ اور منافقین نے بخل اختیار کیا۔ خدا تعالےٰ نے مومنین کی تعریف۔ اور منافقین کی مذمت فرمائی اور اُن کو تہدید کی ہے۔ اور یا کوئی حادثہ مثل دشمنوں پر فتح دینے اور اُنکے ضرر سے محفوظ رکھنے کے مانند واقع ہوا ہو تو خدا تعالےٰ نے مسلمانوں پر اُس کا احسان جتایا اور اُن کو وہ نعمتیں یاد دلائی ہوں۔ اور یا کوئی ایسی خاص کیفیت پیدا ہوئی جس پر زجر و تنبیہ۔ یا تعریض و ایما۔ اور یا امر و نہی کی ضرورت تھی اور خدائے تعالےٰ نے اُس بارہ میں اُس کے مناسب حکم نازل فرمایا۔ ایسی خاص حالتوں میں مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان قصوں کو بطریق اختصار بیان کرے جن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے سورہ انفال میں قصہ بدر کی جانب۔ اور آل عمران میں اُحد کی جانب اور احزاب میں غزوہ خندق کی جانب۔ اور سورہ فتح میں حدیبیہ کی طرف۔ اور سورہ حشر میں بھی

بنی نضیر کیجانب اشارات کئے گئے ہیں۔ اور سورہ برات میں فتح مکہ اور غزوہ تبوک پر آمادہ کیا گیا ہی اور مائدہ میں حجۃ الوداع کی طرف۔ اور احزاب میں نکاح حضرت زینب کی طرف اور سورہ تحریم میں تحریم سُریہ[1] کی طرف۔ اور نور میں قصہ افک عائشہ رضی اللہ عنہا کیطرف اور سورہ جن واحقاف میں جنات کے حضرت کی تلاوت سننے کی طرف۔ اور برات میں قصہ مسجد ضرار کی طرف۔ اور سورہ بنی اسرائیل کے شروع میں واقعہ معراج کی طرف اشارے کیے گیے ہیں۔ اگرچہ یہ قسم بھی درحقیقت تذکیر بایام اللہ میں داخل ہی۔ لیکن چونکہ اُس کی تعریضات کا حل اصلی قصہ سننے پر موقوف ہی اس لیے اُس کو باقی اقسام سے علحدہ رکھا گیا۔

باب دوم

وجوہ خفائے نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج نہایت وضاحت کے ساتھ

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید ٹھیک بلاکسی تفاوت کے محاورۂ عرب کے موافق نازل ہوا۔ اور اہل عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اُس سے قرآن مجید کے معنی منطوق کو سمجھ لیتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہی۔ والکتاب المبین۔ اور قرانا عربیًا لعلکم تعقلون اور احکمت آیاتہ ثم فصلت۔ شارع کی یہ مرضی ہی کہ متشابہات قرآنی کی تاویل اور صفات خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی اور مبہمات کی تعیین اور قصوں

[1] سورہ تحریم میں جس چیز کی حرمت کا ذکر ہی اس کی نسبت روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہی کہ ماریہ قبطیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں اُنکو کسی اُم المومنین کے اصرار سے آپ نے حرام کرلیا تھا۔

تفصیل میں غور وخوض نکیا جائے۔ یہی وجہ ہو کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سوالات کم پیش کرتے تھے اور یہی وجہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ سوالات کچھ کم ہی منقول ہوا ہو لیکن جبکہ اس طبقہ کا دور گذر چکا اور علوم تفسیر میں عجمیوں نے دخل دینا شروع کیا۔ اور نیز وہ پہلی زبان بھی متروک ہوگئی تو اس وقت بعض مقامات پر شارع کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی۔ اور ضرورت پڑی کہ لغت اور علم نحو کی چھان بین کی جائے اور سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور تفسیر کی کتابیں شروع ہوئیں بدیںوجہ ہمارے ذمہ لازم ہو کہ مشکل مقامات اور اُن کے امثلہ بیان کردیں۔ تاکہ معانی قرآنی میں غور وخوض کے وقت طول بیان کی حاجت نہ پڑے اور اُن مقامات کو مبالغہ کے ساتھ حل کرنے کے لیے مجبور ہوں۔

کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہونے کا سبب کبھی لفظ نادر کا استعمال ہوتا ہو۔ اُس کا علاج یہ ہو کہ اُس لفظ کے معنی صحابہ اور تابعین اور باقی واقفکاران معانی سے نقل کیے جاویں۔ اور کبھی اس کا سبب ناسخ منسوخ میں شناخت نکرسکنا۔ اور اسباب نزول کا یاد نرہنا۔ اور کبھی مضاف وموصوف وغیرہ کا محذوف ہونا۔ اور کبھی کسی شے کو کسی شے سے یا کسی حرف کو کسی حرف سے اور یا اسم کسی اسم سے یا فعل کو کسی فعل سے یا جمع کو مفرد سے یا مفرد کو جمع سے یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینا اس کا باعث ہوتا ہو اور کبھی مستحق تاخیر کی تقدیم یا اس کا عکس۔ اور کبھی اُس کا سبب ضمائر کا انتشار اور ایک لفظ کے متعدد معانی اور کبھی تکرار اور مفید وضروری طوالت ہوتا ہو اور بعض اوقات اس کا سبب اختصار۔ اور کسی وقت کنایہ اور تعریض یا متشابہ یا مجاز عقلی کا استعمال ہوتا ہو۔ سعادتمند دوستوں کو چاہیے کہ وہ علم تفسیر میں گفتگو کرنے کے لیے ان امور کی حقیقت اور اُن کی بعض مثالوں سے آگاہی حاصل کریں۔ اور مقام تفصیل میں رمز واشارہ پر اکتفا کریں۔

فصل اوّل

قرآن مجید کے الفاظ نادرہ کی شرح کے بیانمیں

غرائب قرآن کی شروح میں بہترین شرح مترجم القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہی جو ابن ابی طلحہ کے طریق روایت سے صحت کے ساتھ ہمکو پہنچی ہی۔ اور غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ نے بھی صحیح بخاری میں اس طریق پر اعتماد فرمایا ہی اور اُسکے بعد ابن عباسؓ سے ضحاک کے طریق اور نافع ابن الازرق کے سوالات پر ابن عباسؓ کے جوابات کا مرتبہ ہی ان تینوں طریقونکو علامہ سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں ذکر کیا ہی۔ اُس کے بعد شرح غرائب کا رتبہ ہی جس کو امام بخاری نے ایمہ تفسیر سے نقل کیا ہی۔ اُس کے بعد وہ شروح غرائب قرآنی ہیں جن کو دوسرے مفسرین نے حضرات صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین سے روایت کیا ہی۔ مجکو مناسب معلوم ہوتا ہی کہ اس کتاب کے پانچویں باب میں غرائب قرآنی کے تمام معتبر شروح کو مع شان نزول بیان کروں۔ اور اس باب کو ایک مستقل رسالہ قرار دوں تاکہ جو چاہے اس کو اس رسالہ میں شامل کرلے۔ اور جو چاہے اُس کو جداگانہ یاد کرلے۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب

فائدہ۔ حضرات صحابہ اور تابعین کبھی لفظ کی تفسیر اس کے معنی لازمی سے کرتے ہیں۔ اور متاخرین لغات کے تتبع اور مواقع استعمال کے تفحص کی بنا پر اس قدیم تفسیر میں شبہات کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں ہماری غرض صرف تفسیر سلف کا کامل اتباع ہی۔ اور تنقیحات و تنقیدات کے لیے اس مختصر رسالہ کے علاوہ دوسرا موقع ہی کیونکہ

"ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد"

فصل دوم

ناسخ و منسوخ کی معرفت فن تفسیر میں ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کے اندر بڑی بڑی بحثیں اور بیشمار اختلافات ہیں۔ اور اس کے اشکال کے اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا باہمی اختلاف ہے۔ اس باب میں حضرات صحابہ اور تابعین کے کلام کے استقرار سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی (یعنی ایک چیز کا ازالہ دوسری چیز کے ذریعہ سے) میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصطلاح اہل اصول کے موافق۔ بدیں وجہ ان کے نزدیک معنی نسخ ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ کرنا دوسری آیت کے ساتھ ہوگا۔ یہ ازالہ اوصاف عام ہے کہ مدت عمل کی انتہا ہو یا کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دینا ہو۔ یا یہ بیان کہ قید سابق اتفاقی تھی۔ اور یا لفظ عام کی تخصیص ہو۔ اور یا منصوص اور مقیس علیہ ظاہری میں امر فارق کا بیان۔ یا جاہلیت کی کسی عادت اور یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو۔

چونکہ ان حضرات کے نزدیک نسخ باب وسیع رکھتا ہے اس لیے عقل کو اس میں جولانی اور اختلاف کی گنجایش مل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک بیان کرتے ہیں۔ لیکن اگر مزید غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔ مگر متاخرین کی اصطلاح کے موافق آیات منسوخہ کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے علی الخصوص اس توجیہ کی رو سے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بیان مذکورہ بالا کو بعض علماء سے لے کر اپنی کتاب میں مناسب بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ ہیں ان کو شیخ محی الدین ابن عربی کے موافق تحریر کر کے قریباً ۲۰ بیس منسوخ آتیں گنوائی ہیں۔ لیکن فقیر

کو اُن بیس میں بھی اکثر کی نسبت کلام ہی۔ ہم اس موقع پر علامہ سیوطی کے کلام کو معہ اپنے شبہات
کے بیان کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ (۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت۔ یہ آیت منسوخ ہی اسکے
ناسخ کے تعیین میں بعض سے منقول ہی کہ آیت میراث سے منسوخ ہی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ
حدیث لاوصیتہ لوارث سے۔ اور بعض کا قول ہی کہ اجماع سے یہ ابن عربی نے بیان کیا ہی
میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہی بلکہ یہ آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم سے منسوخ ہی۔ اور حدیث
لاوصیتہ اسی نسخ کو بیان کرتی ہی (۲) وعلی الذین یطیقونہ فدیہ بیان کیا گیا ہی کہ یہ
آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ سے منسوخ ہی اور یہی قول ہی کہ یہ آیت محکمہ ہی اور اس میں
لا مقدر ہی۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ایک دوسرا طریقہ ہی۔ جو یہ ہی کہ آیت کے
معنی ہیں۔ وعلی الذین یطیقون الطعام فدیۃ ہی طعام مسکین۔ یعنی جو لوگ کھانا دینے کی
طاقت رکھتے ہیں اُن پر فدیہ ہی جو ایک مسکین کا کھانا ہی۔ یہاں ضمیر کو اُس کے مرجع کی
پہلے اس لیے ذکر کیا کہ مرجع باعتبار رتبہ کے مقدم ہی۔ اور ضمیر کو اس لیے مذکر لائے کہ
درحقیقت فدیہ سے مراد طعام ہی ہی۔ اور طعام سے مراد صدقۃ الفطر ہی اس آیت میں
اللہ تعالےٰ نے روزوں کے حکم کے بعد صدقۃ الفطر کو اس طرح بیان فرمایا ہی جیسا کہ
دوسری آیت فمن شہد منکم الشہر الخ کے بعد تکبیرات عید (ولتکبروا اللہ علی ماہدٰکم) کو (۳)
(احل لکم لیلۃ الصیام الرفث) آیت کما کتب علی الذین من قبلکم کے لیے ناسخ ہی کیونکہ مقتضائے
تشبیہ یہ ہی کہ شب کے وقت بھی سو جانے کے بعد کھانے پینے اور وطی کی حرمت میں
جو اگلی امتوں پر تھی موافقت ہو۔ یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہی۔ اور اس کے علاوہ ایک
دوسری بات بھی بیان کی ہی جو یہ ہی کہ یہ آیت اُس حکم حرمت وطی کے لیے ناسخ ہی جو
ارشاد نبوی سے ثابت تھا۔ میں کہتا ہوں کہ کما کتب سے نفس وجوب صوم میں تشبیہ
دینا مقصود ہی۔ نہ کہ نسخ کیونکہ یہاں روزے داروں کے اُس حال کو بدلا ہی جو اس
اجازت سے پہلے تھا۔ اور ہم کو کوئی دلیل نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں وطی حرام کردی تھی۔ اور اگر اسے مان بھی لیا جائے تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثابت بالسنتہ تھا۔ اس آیت سے اُس کی تنسیخ ہوگئی (۴) یسئلونک عن الشھر الحرام الایہ قاتلوا المشرکین کافۃ الایہ سے منسوخ ہے اس روایت نسخ کو ابن جریر نے عطا بن میسرہ سے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آیت مشرکین سے جنگ کی حرمت پر نہیں بلکہ اُس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ آیت اس قبیل سے ہے کہ حکم کی علت کو مانکر اس کے موانع بھی ظاہر کیے جائیں۔ اب اس آیت کے یہ معنی ہوگئے کہ اگرچہ شہر حرام میں قتال نہائت سخت ہے لیکن فتنہ کفر و شرک اُس سے بھی زیادہ سخت ہے اسلیے اُس کی روک تھام کے لیے جنگ جائز ہے۔ اور یہ معنی سیاق کلام اللہ سے عیاں ہے کما لایخفی (۵) والذین یتوفون۔ متاعا الی الحول تک۔ یہ حکم آیت اربعۃ اشھر وعشرا سے منسوخ ہے۔ اور نسخ وصیت آیت میراث سے ہوا۔ اب صرف سکنی ایک جماعت کے نزدیک باقی ہے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک وہ بھی حدیث لاسکنی سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت جیسا کہ علامہ نے بیان کیا جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کے معنی[۱] یوں بیان کیے جائیں وصیت میت کے لیے تو مستحب یا جائز ہے مگر عورت پر زمانہ وصیت میں سکونت واجب نہیں یہی حضرت ابن عباس کا مذہب ہے اور یہ معنی آیت سے ظاہر ہیں۔

(۶) قولہ تعالےٰ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ آیت لایکلف اللہ

---

[۱] اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مرد کے ذمہ اپنی زوجہ کے لیے ایک سال کا نفقہ اور سکنی وصیت کرنا ضروری ہے۔ مگر عورت پر خواہ مخواہ ایک سال تک اس کے گھر میں رہنا ضروری نہیں۔ بلکہ صرف چار مہینے دس دن۔ اس توجیہ کی بنا پر کوئی آیت منسوخ نہو گی۔ قال بہ ابن عباس و البخاری وابن تیمیہ ۱۲۔

نفساً الا وسعہا سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں۔ یہ تخصیص عام کی قسم سے ہے۔ اور پچھلی آیت نے بیان کر دیا کہ ما فی انفسکم سے مراد اخلاص و نفاق ہے۔ نہ کہ خطرات نفس جن پر انسان کا کچھ اختیار نہیں کیونکہ تکلیف شرعی انہی چیزوں میں دی گئی ہے جن پر انسان کو قدرت حاصل ہے۔

سورہ آل عمران اتقوا اللہ حق تقاتہ۔ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ فاتقوا اللہ ما استطعتم سے منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ آل عمران میں اس کے سوا اور کوئی آیت نہیں ہے جس کی نسبت دعوی نسخ صحیح ہو۔ میں کہتا ہوں کہ حق تقاتہ سے مراد شرک اور کفر یعنی امور اعتقادیہ میں تقوی مراد ہے۔ اور ما استطعتم میں اعمال ہیں یعنی جس کو وضو کی قدرت نہ ہو وہ تیمم کرلے۔ اور قیام کی طاقت نہ ہو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ یہ مضمون سیاق آیت یعنی "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" سے ظاہر ہے۔

سورہ نساء والذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم۔ اس آیت سے منسوخ ہے والو الارحام بعضہم اولی ببعض۔ میں کہتا ہوں کہ آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ میراث موالی کے لیے اور صلہ نیک مولی الموالات کے لیے ہے۔ اب نسخ نہیں رہا (۷) قولہ تعالے اذا حضر القسمۃ الایہ۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ منسوخ ہے۔ دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں امر استحبابی ہے۔ یہی معنی ظاہر ترین ہیں (۸) قولہ تعالی واللاتی یاتین الفاحشۃ الایہ آیت نور[1] سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں نسخ نہیں ہوا بلکہ یہ حکم اپنی نہایت تک پہنچ گیا ہے اور جب اس کی انتہا کا وقت آپہونچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ موعودہ کی تفصیل فرمادی کہ یہ ہے تو اب نسخ نہیں رہا۔

سورہ مائدہ (۹) ولا الشہر الحرام۔ مشہور محرمہ میں اباحت قتل کے حکم سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں

---

[1] الزانیۃ والزانی فاجلدوا۔ الخ مترجم

اس آیت کا ناسخ نہ قرآن مجید میں ہی اور نہ حدیث صحیح میں۔ البتہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو قتال حرام ہی وہ شہر محرمہ میں اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ تمہاری جان و مال تم لوگوں کے اوپر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ تمہارے اس شہر میں حرمت رکھتا ہی۔ (۱۰) قولہ تعالےٰ۔ فان جاؤک فاحکم بینہم او اعرض عنہم۔ یہ آیت وان احکم بینہم بما انزل اللہ سے منسوخ ہو گئی ہی۔ میں کہتا ہوں کہ آیت ہذا کے یہ معنی ہیں کہ اگر تجھے خود حکم دینا منظور ہو تو قانون خداوندی (بما انزل اللہ) کے موافق حکم کرنا اور اُن کی خواہشوں کی پیروی مت کرنا۔ الحاصل ہمارے لیے دونوں باتیں جائز ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ذمیوں کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ مقدمات کا مرافعہ اپنے عمائد کے یہاں کریں تاکہ وہ اپنے شرائع کے موافق اس کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو ہم خود ہی منزل من اللہ احکام سے اُن کا قضیہ چکا دیں۔

(۱۱) قولہ تعالےٰ او آخران من غیرکم منسوخ ہی آیت واشہدوا ذوی عدل منکم سے میں کہتا ہوں کہ امام احمد کا قول آیت کے ظاہر معنی کے مطابق ہی۔ اور دوسرے ایمہ کے نزدیک اُس کے یہ معنی ہیں۔ او آخران من غیر اقاربکم اس توجیہ پر گواہاں وصیت مسلمانان غیر قرابتداروں میں سے ہوں گے۔

سورہ انفال (۱۲) قولہ تعالےٰ ان یکن منکم عشرون صابرون الایہ۔ اپنی مابعد والی آیت سے منسوخ ہی میں کہتا ہوں کہ بیشک منسوخ ہی۔

سورہ براۃ (۱۳) انفروا خفافا وثقالا۔ آیات عذر یعنی لیس علی الاعمی حرج الایہ اور لیس علی الضعفاء الایہ سے منسوخ ہی۔ میں کہتا ہوں مراد خفافا سے یہ ہی کہ ضروریات جہاد (مثلاً) مراکب۔ غلامان خدمت سامان خور و نوش کی کم از کم مقدار موجود ہو۔ اور ثقالا سے کہ یہ اشیاء نہایت وافر ہوں اب نسخ نہیں رہا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہی کہ یہاں نسخ متعین نہیں بلکہ دوسرا احتمال بھی موجود ہی۔

سورہ النور (۱۴) الزانی لاینکح الازانیۃ الایہ ۔ یہ آیت وانکحوا الایامٰی منکم سے منسوخ ہے۔
میں کہتا ہوں امام احمد نے اس آیت کے ظاہری معنی پر حکم دیا ہے ۔ اور دوسرے ایمہ کے
نزدیک اُس کے یہ معنی ہیں کہ مرتکب کبیرہ زانیہ ہی کا ہمکفو ہے اور یا یہ کہ زانیہ سے نکاح کرنا
مستحب نہیں ہے ۔ اور آیت میں حرّم ذٰلک سے زنا و شرک کی جانب اشارہ ہے ۔ اس لیے
نسخ نہیں کہہ سکتے ۔ اور آیت وانکحوا الایامی عام ہے وہ خاص کو منسوخ نہیں کر سکتی ۔ (۱۵)
قولہ تعالےٰ لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم الایہ ۔ اس میں دو قول ہیں ۔ ایک یہ کہ منسوخ ہے
دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے ۔ میں
کہتا ہوں ابن عباس کا مذہب ہے کہ وہ منسوخ نہیں اور یہی زیادہ قابل اعتبار ہے ۔

سورہ احزاب (۱۶) لایحل لک النسامن بعد الایہ آیت ۔ انا احللنا لک ازواجک اللاتی سے
منسوخ ہے ۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے ناسخ با عتبار تلاوت منسوخ سے مقدم ہو اور میرے نزدیک
یہی بات زیادہ ظاہر ہے ۔

سورہ مجادلہ (۱۷) اذا ناجیتم الرسول فقدموا الایہ ۔ یہ اپنے بعد والی آیت سے منسوخ
ہے میں کہتا ہوں یہ قول ٹھیک ہے ۔

سورہ ممتحنہ (۱۸) فاتوا الذین ذہبت ازواجہم مثل ما انفقوا ۔ اس آیت میں تین قول ہیں
(۱) آیت سیف سے منسوخ ہے (۲) آیت غنیمت سے منسوخ ہے (۳) محکم ہے ۔ میں کہتا ہوں
کہ اس کا محکم ہونا ظاہر تر ہے ۔ لیکن یہ حکم صلح اور قوت کفار کے وقت کے لیے خاص ہے ۔

سورہ مزمّل (۱۹) قم اللیل الا قلیلا ۔ یہ حکم سورہ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہے ۔ اور
پھر وہ بھی فرضیت نماز پنجگانہ سے منسوخ ہو گیا ۔ میں کہتا ہوں نماز پنجگانہ سے نسخ کا دعوٰی
مدلل نہیں ہے بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورہ مزمل کے ابتدا میں استحباب قیام لیل کی تاکید ہے ۔ اور
آخر میں صرف اُس تاکید کا نسخ کر کے استحباب غیر موکد کو باقی رکھا گیا ہے ۔ علامہ سیوطی
نے ابن عربی کے ساتھ اتفاق کر کے کہا ہے کہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں باوجودیکہ ان

میں بھی بعض کی نسبت اختلاف ہے اوران کے علاوہ اورکسی آیت کے لیے دعوی نسخ صحیح نہیں اورآیت استیذان اور آیت قسمت اورآیت احکام میں عدم نسخ صحیح ہے۔ اب صرف انیس ۱۹ آیتیں منسوخ رہگئیں۔ میں کہتاہوں ہماری تحریر کے موافق پانچ ہی آیتوں میں نسخ ثابت ہوسکتاہے۔

علم تفسیر کا دوسرا دشوارترین مسئلہ معرفت اسباب نزول ہے اس میں بھی بعض اشکال یہ ہے متقدمین اورمتاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے۔ کلام حضرات صحابہ اورتابعین رضوان اللہ علیہم کے استقرا سے جس قدر ثابت ہوتاہے وہ یہ ہے کہ اُن کا یہ کہنا نزلت فی کذا (یہ آیت فلاں بارہ میں نازل ہوئی) کسی ایسے قصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا جو زمانہ نبوی میں واقع ہوکر نزول آیت کا سبب ہوا۔

اُن کی عادت ہے کہ مصداقہائے آیت میں سے کسی ایسے مصداق کو جس کا وجود زمانہ نبوی اوریا اُس کے بعد ہوا ہو۔ ذکر کرکے نزلت فی کذا کہدیا کرتی ہیں۔ ایسے موقع پر تمام قیود کے ساتھ منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں ہے ہاں اصل حکم میں انطباق چاہیئے اوربس۔ اورکبھی ایسا بھی ہوتاہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کوئی سوال پیش کیا۔ یا آپ کے زمانہ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا ہو۔ اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا اوراُس آیت کو اس موقع پر تلاوت کیا ہو تو ایسے وقعات کو بھی بیان کرتے ہوئے وہ کہدیا کرتے ہیں نزلت فی کذا، ایسی خاص صورتوں میں کبھی فانزل اللہ تعالےٰ قولہ کذا یا صرف فنزلت بھی استعمال کرتے ہیں اُن کا یہ کہنا اس بات کا اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت سے استنباط۔ اورآپ کے قلب مبارک میں اسوقت اُس آیت کا القا بھی وحی اورنفث فی الروع کی ایک قسم ہے۔ یہی وجہ ہے جو اس موقع پر لفظ فانزلت کا استعمال جائز ہے۔ اگر کوئی شخص تکرار نزول کے ساتھ اس کو تعبیر کرے یہ بھی ممکن ہے۔

محدثین آیات قرآنی کے ذیل میں ایسی بہت اشیا ذکر کرجاتے ہیں جو فی الحقیقۃ

اسباب نزول میں داخل نہیں ہوتیں مثلاً صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد کرنا یا آیت سے تمثیل دینا۔ یا اپنے کلام کے استشہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا۔ اور یا محدثین کا کسی ایسی حدیث کا روایت کرنا جس کو آیت کے ساتھ اُس کی اصل غرض یا موقع نزول یا اسماء مذکورہ فی الآیت کے مبہم کی تعیں میں موافقت حاصل ہو۔ یا کسی کلمہ قرانی کے لیے ادائے تلفظ کا طریقہ۔ یا سورتوں اور آیات کے فضائل یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتثال امر قرانی وغیرہ کی صحیح تصویر۔ درحقیقت یہ تمام باتیں اسباب نزول میں شمار نہیں ہیں اور نہ اُن کا احاطہ کرنا مفسر کی شرائط میں داخل ہی۔ مفسر بننے کے لیے دو چیزوں کی معرفت شرط ہی۔ ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات مشیر ہوں۔ کیونکہ ایسی آیات کے ایما کا سمجھنا بغیر علم واقعات کے میسر نہیں آسکتا اور دوسرے وہ قصے جس سے عام کی تخصیص یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ مثلاً آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرتے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ آیات کے اصل مقصد کا علم اُن قصص کی موافقت کے بدون ممکن نہیں۔

یہاں پر یہ جان لینا مناسب ہی کہ حضرات انبیاء سابقین کے قصے احادیث میں کم مذکور ہیں۔ اور اُن کے وہ لمبے چوڑے تذکرے جن کے بیان کرنے کی تکلیف عام مفسرین برداشت کرتے ہیں وہ سب لاماشاء اللہ علماء اہل کتاب سے منقول ہیں۔ صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہی۔ لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوہم (تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو) اور یہی جان لینا چاہیے کہ حضرات صحابہ اور تابعین مشرکین و یہود کے مذاہب اور اُن کی جاہلانہ عادات کے بارہ میں قصہائے مخصوصہ اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ عقائد و عادات زیادہ روشن ہو جائیں اور ایسے موقع پر وہ اکثر کہدیتے ہیں نزلت الآیۃ فی کذا۔ اس سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہی کہ فلاں آیت اس طرح کی واقعات کی نسبت نازل ہوئی اُن کی مراد اس سے عام ہوتی ہی کہ سبب نزول وہی واقعہ ہو

یا اُس کے مانند اور کوئی۔ اور یا آیت اُس کے قریب نازل ہوئی ہو۔ اس صورت خاص کے اظہار سے اُن کا مقصد اس کی تخصیص کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ فقط یہ غرض ہوتی ہی کہ یہ صورت اُن امور کلیہ کے لیے (جن کا اظہار و بیان ضروری ہی) ایک اچھی تصویر ہی اسلیے بسا اوقات اُن کے اقوال باہم مختلف اور اپنی اپنی طرف کھنچتے ہوئے نظر آتی ہیں حالانکہ حقیقت میں سب کا مطلب ایک ہی ہوتا ہی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جس مقام پر یہ کہا ہی کہ کوئی شخص ہرگز فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک اُس میں ایک آیت کو متعدد معانی پر حمل کرنے کا ملکہ نہ پیدا ہو جائے وہاں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہی۔

علیٰ ہذا قرآن مجید میں یہ اسلوب بکثرت اختیار فرمایا گیا ہی کہ دو صورتیں بیان ہوتی ہیں۔ ایک سعید کی جس کے ذیل میں بعض اوصاف سعادت ذکر کیے جاتے ہیں اور ایک شقی کی جس کے تحت میں بعض اوصاف شقاوت کا مذکور ہوتا ہی۔ مگر ایسے مقامات میں عام طور پر صرف اُن اوصاف و اعمال ہی کے احکامات کا اظہار منظور ہوتا ہے اور کسی خاص شخص کی جانب تعریض نہیں ہوتی چنانچہ پ۲۶ رع میں ارشاد فرمایا۔ ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرہا ووضعتہ کرہا اور اُس کے بعد شقی اور سعید کی دو صورتیں ذکر فرمائیں۔ اور اُسی کے مانند یہ دو آیتیں پ۱۴ کی ہیں واذا قیل لہم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین۔ اور وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا۔ اور آیات ذیل کو بھی اسی قاعدہ پر حمل کرنا چاہیئے۔ ضرب اللہ مثلا قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ اور ایت پ۲۶ نمبر۱۴ ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا لیسکن الیہا فلما تغشہا الایہ اور پ۱۸ قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون اور ولا تطع کل حلاف مہین۔

اور اس صورت میں یہ بات کچھ ضروری نہیں ہی کہ بعینہ وہ خصوصیات کسی فرد میں پائی بھی جاتی ہوں۔ چنانچہ آیت کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مایۃ حبۃ۔ میں لازم

نہیں آتا کہ اُس صفت کا کوئی بیج پایا بھی جائے۔ یہاں کثرت اجر کی تصویر کھینچنے کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے۔ اور اگر کوئی صورت اُس کے ساتھ اکثر یا تمام خصوصیات میں موافق بھی پائی جاتی ہو تو وہ لزوم مالایلزم کے قبیل سے سمجھی جائے گی اور کبھی ظاہر الورود شبہ کو دور کیا جاتا یا کسی قریب الفہم سوال کا جواب محض کلام سابق کے ایضاح مطلب کے قصد سے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس زمانہ میں نہ کسی کا کوئی شبہ ہوتا ہے نہ کوئی سوال۔ بسا اوقات صحابہ ایسے مقام کی تقریر کرتے ہوئے کوئی سوال بطور خود تجویز کر لیتے اور مطلب کو سوال و جواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں اور اگر بغرض تحقیق خوب چھان بین کیجاتی ہے تو یہ تمام کلام باہم متصل اور مربوط معلوم ہوتا ہے جس میں ترتیب نزول کے اعتبار سے قبلیت اور بعدیت کی گنجائش نہیں ہے اور ایک ایسا منتظم جملہ نظر آتا ہے جس کی قیود کا تجزیہ کسی قاعدہ پر نہیں ہو سکتا۔ بعض اوقات صحابہ تقدم و تاخر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اُس سے اُن کی مراد تقدم و تاخر باعتبار مرتبہ کے ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آیت والذین یکنزون الذہب والفضۃ۔ میں کہا ہے۔ ہذا[1] قبل ان تنزل الزکوٰۃ فلما نزلت جعلہا اللہ تعالےٰ طہر اللاموال۔ یہ معلوم ہے سورہ براۃ (جس میں آیت ہے) سب سورتوں سے بعد میں نازل ہوئی اور یہ آیت اُن قصص میں ہے جو سب میں متاخر ہیں اور زکوٰۃ کی فرضیت اس سے سالہا سال پہلے ہو چکی ہے۔ لیکن ابن عمر کی مراد یہ ہے کہ اجمال مرتبۃً تفصیل سے مقدم ہے۔

بالجملہ جو امور مفسر کے لیے شرط ہیں وہ ان دو نوعوں سے زیادہ نہیں ہیں۔ ایک غزوات وغیرہ کے قصے جن کی خصوصیات کی جانب مختلف آیتوں میں ایسی تعریضات ہیں کہ تا وقتیکہ اُن واقعات کا علم نہو اُس وقت تک آیات کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات میں تشدد کے ایسے اسباب

[1] یہ نزول زکوٰۃ سے پہلے ہے۔ پس جبکہ زکوٰۃ نازل ہوئی تو خداوند تعالےٰ نے اُس کو مالوں کے لیے پاکی بنایا۔

جن کا علم کیفیت نزول کی معرفت پر موقوف ہوتا ہی اور یہ بحث اخیر در اصل فنون توجیہ میں سے ایک فن ہی۔ اور توجیہ کے معنی ہیں صورت کلام کا بیان۔ اور اس کلمہ (تعریف توجیہ) کا حاصل یہ ہی کہ کبھی کسی آیت میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہی یا تو اس صورت کے استبعاد کی وجہ سے جو مدلول آیت ہی۔ یا دو آیتوں کے باہمی تناقض سے۔ اور یا اس وجہ سے کہ مبتدی کے ذہن پر مصداق آیت کا تصور دشوار ہوتا ہی یا کسی قید کا فائدہ اُسکے ذہن نشین نہیں ہوتا ان صورتوں کے پیدا ہونے پر جب مفسر ان اشکالات کو حل کرتا ہی تو اُس کا نام توجیہ رکھا جاتا ہی۔ مثلاً آیت یا اُخت ہارون میں سوال آیا کہ حضرت موسی و حضرت عیسی علیہم السلام کے درمیان میں ایک طویل مدت کا فاصلہ ہی تو کیونکر ہو سکتا ہی کہ ہارون مریم علیہما السلام کے بھائی ہوں۔ گویا کہ سائل نے اپنے ذہن میں یہ ٹھیرالیا تھا کہ یہ ہارون (جو آیت میں مذکور ہیں) وہی حضرت موسی علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام ایسی صلحاء کے نام پر رکھا کرتے تھے جو اُن سے پہلے گذر چکے اور مثلاً آپ سے سوال کیا گیا کہ محشر میں آدمی موںھ کے بل کس طرح چلیں گے۔ آپ نے فرمایا ان الذی امشاہ فی الدنیا علی رجلیہ لقادر علی ان یمشیہ علی وجہہ[1] اور مثلاً ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ ایک آیت میں لا یتسائلون ہی اور دوسری میں واقبل بعضھم علی بعض یتسائلون۔ ان دونوں میں صورت تطبیق کیا ہی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ عدم سوال میدان حشر میں اور سوال جنت میں جانیکے بعد ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ صفا و مروہ کے درمیان اگر سعی واجب ہی تو لفظ لا جناح (گناہ نہیں) کیوں فرمایا گیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اس وقت ایک جماعت نے گناہ سمجھکر اس سے پرہیز اختیار کیا تھا اس لیے لا جناح فرمایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ

[1] جس نے دنیا میں انسان کو پاؤں کے بل چلایا وہ بلاشبہ اس پر قادر ہی کہ اس کو منہ کے بل چلائے۔

علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قید ان خفتم کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صدقہ تصدق الله بہا (یعنی ہم بندے صدقہ میں تنگی روا نہیں رکھتے) ایسے ہی خدا تعالے نے اُس قید کو تنگی (احتراز) کے لیے ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ قید اتفاقی ہی۔ علم تفسیر میں توجیہ کی مثالیں بکثرت ہیں اور ہمارا مقصود صرف تنبیہ ہی۔

ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہی کہ جن اسباب نزول اور توجیہات مشکل کو بخاری اور ترمذی اور حاکم نے اپنے اپنے ابواب تفسیر میں اسناد صحیحہ سے صحابہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہی ہم بھی اُن کو بطور تنقیح واختصار باب پنجم میں نقل کریں اس سے دو فایدے ہونگے۔ اول یہ معلوم ہو جائے گا کہ اتنے آثار کا حفظ کرنا مفسر کیلیے ضروری ہی۔ چنانچہ غرائب قرآن کی شرح جسقدر ہم نے ذکر کی ہی وہ نہایت ضروری ہی۔ دوسرے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اکثر اسباب نزول کو آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ البتہ صرف اُن قصص کو کچھ دخل ہی جن کا اُن ہر سہ تفاسیر میں ذکر ہی جو محدثین کے نزدیک صحیح تر ہیں۔ اور محمد ابن اسحاق واقدی اور کلبی نے قصہ آفرینی میں جسقدر افراط کی ہی (یعنی وہ ہر ایک آیت کے تحت میں ایک قصہ لائے ہیں) محدثین کے نزدیک اُن کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہی۔ اور اُن کے اسنادوں میں نقصانات ہیں اُن لوگوں کے اس افراط کو علم تفسیر کے لیے شرط سمجھنا صریح غلطی ہی۔ اور اُس کے حفظ پر فہم کتاب اللہ کو موقوف خیال کرنا دراصل کتاب اللہ سے اپنا حصہ کھونا ہی۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وہو رب العرش العظیم۔

فصل سوم

اس باب کے باقی مباحث کے بیان میں

جو اشیاء کلام میں خفا پیدا کرتی ہیں یہ ہیں (۱) کلام سے بعض اجزاء یا حروف کا

خذف کرنا (۲) دوسرے ایک شے کو دوسری شے سے بدلنا (۳) مستحق تاخیر کی تقدیم (۴) مستحق تقدیم کی تاخیر (۵) متشابہات ۔ تعریضات کنایات کا استعمال ۔ علی الخصوص معنی مقصودہ کی تصویر ایسے محسوس صورت کے ذریعہ سے جو عادۃً اُن معانی کے لیے لازم ہو کھینچنا (۶) استعارہ مکنیہ اور مجاز عقلی کا استعمال

ہم مختصر طور پر ان اشیاء کی بعض مثالیں اس غرض سے بیان کرتے ہیں کہ طالب کو ایک قسم کی بصیرت حاصل ہو جائے

حذف ۔ اُس کی کئی قسمیں ہیں ۔ مثلاً حذف مضاف یا حذف موصوف یا حذف متعلق وغیرہ

خذف کی مثالیں مثال (۱) پ ۲ ر ۶ ولکن البر من آمن ای بِرُّ من آمن	لیکن نیکی اُس شخص کی ہے جو ایمان لایا
مثال (۲) پ ۱۵ ر ۶ وآتینا ثمود الناقة مبصرة ای آیة مبصرة لا انها مبصرة غیر عمیا	اور ہمنے ثمود کو اونٹنی کا کھلا ہوا معجزہ دیا تھا یعنی نشانی کھلی ہوئی ۔
مثال (۳) پ ۱ ر ۱۱ واشربوا فی قلوبہم العجل ۔ ای حب العجل ۔	اور وہ اپنے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلائے گئے
مثال (۴) پ ۱۵ ر ۲۲ اقتلت نفسا زکیة بغیر نفس ای بغیر قتل النفس او فسادا ای بغیر فساد	کیا تونے ایک نفس معصوم کو بغیر نفس کے قتل کیا یعنی بدون قتل نفس کے یا بغیر فساد کے
مثال (۵) من فی السموات والارض ای من فی السموات ومن فی الارض ۔ لان شیأ واحداً ہو فی السموات والارض	جو شخص کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی جو شخص کہ آسمانوں اور جو شخص زمین میں ہے کیونکہ شے واحد ہی آسمانوں اور زمین میں ہے
مثال (۶) پ ۱۵ ر ۸ ضعف الحیوٰة وضعف الممات ای ضعف عذاب الحیوة وضعف عذاب الممات	دونا زندگی کا اور دونا موت یعنی دونا عذاب زندگی اور دونا عذاب موت کا
مثال (۷) پ ۱۳ ر ۴ واسأل القریة ای اہل القریة	اور گاؤں سے سوال کر یعنی گاؤں والوں سے سوال کر

مثال (۸) پ ۱۳ ر ۱۸ بدلوا نعمة اللہ کفرا ای فعلوا مکان شکر النعمتہ اللہ کفرا

اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلا یعنی بجائے شکر نعمت اللہ کی اُنھوں نے کفر کیا۔

مثال (۹) پ ۱۵ ر ۱ یھدی للتی ہی اقوم ای للخصلة التی ہی اقوم

البتہ وہ ہدایت کرتا ہے اُسکی طرف جو سیدھا ہے یعنی اُسکی خصلت کیطرف جو سیدھی ہے ہدایت کرتا ہے

مثال (۱۰) پ ۱۴ ر ۲ بالتی ہی احسن ای بالخصلة التی ہی احسن

یعنی ساتھ اُس خصلت کے جو احسن اور زیادہ عمدہ ہے۔

مثال پ ۱۷ ر ۷ سبقت لھم منا الحسنیٰ ای الکلمة الحسنیٰ والعدة الحسنیٰ

اُن کے لیے ہماری طرف سے حسنیٰ یعنی کلمہ حسنیٰ یا وعدہ حسنیٰ نے سبقت کی

مثال پ ۱ ر ۱۲ علے ملک سلیمان ای علیٰ عہد ملک سلیمان

پ ۴ ر ۱ وعدتنا علیٰ رُسُلک ای علی السنة رسلک اس مثال میں رسلک سے پیشتر السنة جو مضاف ہے محذوف ہے

تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے

انا انزلناہ فی لیلة القدر ای انزلنا القران وان لم یسبق لہ ذکر

ہمنے قرآن شریف کو شب قدر میں نازل کیا

پ ۲۳ ر ۱۲ حتی توارت بالحجاب ای توارت الشمس

یہانتک کہ سورج پردہ میں چھپ گیا

پ ۲۰ ر ۱۱ وما یلقھا ای خصلة البصر

پ ۶ ر ۱۳ وعبد الطاغوت فیمن قرأ بالنصب ای جعل منھم من عبد الطاغوت۔ اس مثال میں ظاہر کیا گیا ہے کہ حرف جار محذوف ہے۔

پ ۱۹ ر ۱۳ فجعلہ نسبا وصھرا ای جعل لہ نسبا وصھرا

اس مثال میں مفعول سے پیشتر حرف جر محذوف نکالا ہے۔	
پ ۹ ر ۹ واختار موسی قومہ ای من قومہ یہ مثال بھی نزع خافض یعنی حذف جر کی ہے	اور موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے اختیار فرمایا
پ ۱۲ ر ۵ الا ان عادا کفروا ربہم ای کفروا نعمۃ ربہم اوکفروا بربہم بنزع الخافض۔ اس مثال میں یا مضاف یعنی نعمۃ یا حرف جر یعنی با محذوف ہے	مگر تحقیق قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا یعنی نعمتوں کا کفر کیا۔ یا خدا کے ساتھ کفر کیا۔
پ ۱۳ ر ۴ تفتؤا ای لاتفتؤ ومعناہ لاتزال اس مثال میں لفظ لا محذوف ہے	ہمیشہ رہے تو
پ ۲۳ ر ۱۵ مانعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفی ای یقولون مانعبدہم اس مثال میں یقولون محذوف ہے۔	کہتے ہیں کہ ہم اُنکی عبادت صرف اسلیئے کرتے ہیں تاکہ ہم کو اللہ سے نزدیک کردیں
پ ۹ ر ۹ ان الذین اتخذوا العجل ای الذین اتخذوا العجل الہا یہ مثال حذف مفعول کی ہے	تحقیق اُن لوگوں نے کہ بچھڑے کو معبود بنا لیا ہے
پ ۲۳ ر ۶ تاتوننا عن الیمین ای وعن الشمال یہ مثال حذف معطوف کی ہے	تم ہمارے پاس داہنے اور بائیں لے آتے تھے
پ ۲۵ ر ۲ لونشاء لجعلنا منکم ملئکۃ ای بدلا منکم یہ مثال حذف مفعول کی ہے یعنی بدلا محذوف ہے	اگر ہم چاہتے البتہ تم سے یعنی تمہارے بدلے فرشتے کرتے
پ ۲۷ ر ۱۵ فظلتم تفکہون انا لمغرمون ای تقولون انا لمغرمون یہ مثال حذف قول کی ہے	اور تم باتیں بناتے رہجاؤ کہ ہم تاوان میں لگگئے
پ ۹ ر ۱۵ کما اخرجک ربک	

جاننا چاہیے کہ حذف خبر انّ یا حذف جزاے شرط یا حذف مفعول۔ یا حذف مبتدا وغیرہ (جس وقت اُن کا مابعد حذف کی جانب مشیر ہو) قرآن مجید میں عام طور پر شائع ہی

پ۸ ع۵ فلو شاء لهدٰکم اے لو شاء هدایتکم لهدٰکم مثال ہذا میں مفعول حذف ہو رہا ہے	اگر خدا چاہتا البتہ تمکو ہدایت کرتا یعنی اگر تمہاری ہدایت چاہتا البتہ ہدایت کرتا
مثال حذف مبتدا پ۱۱ ع۵ الحق من ربک ای ہذا الحق من ربک	یعنی حق تیری رب سے ہی اے یہ حق تیرے رب سے ہے۔
پ۲۷ ع۱۷ لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا ای لایستوی من انفق من قبل الفتح ومن انفق من بعد الفتح فحذف الثانی لدلالة قوله اولٰئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد۔ یہ مثال حذف خبر جملہ کی ہی یعنی ومن انفق من بعد الفتح حذف ہو رہا ہے	نہیں برابر ہے تم سے وہ شخص جس نے پہلے فتح سے خرچ کیا اور مقاتلہ کیا وہ باعتبار درجہ کے اعظم ہی ان لوگوں سے جنہوں نے بعد فتح خرچ کیا اور مقاتلہ کیا یعنی نہیں برابر وہ شخص جس نے پہلے فتح سے خرچ کیا اور جس نے بعد کو خرچ کیا پس دوسرا یعنی من انفق من بعد الفتح بوجہ دلالت آیت بالا حذف کر دیا گیا ہی
پ۲۳ ع۲ واذا قیل لهم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم لعلکم ترحمون وما تاتیهم من آیة من آیات ربهم الا کانوا عنها معرضین ای اذا قیل لهم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم اعرضوا۔ اس مثال میں اعرضوا محذوف ہے جس پر آیت متاخرہ دلالت کر رہی ہی	اور جب اُن سے کہا جاتا ہی کہ جو آفتیں تمکو تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے سے گھیرے ہوے ہیں ان سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو اُس کی وہ مطلق پروا نہیں کرتے اور اُن کے پروردگار کی کوئی سی نشانی اُن کے پاس آوے مگر وہ اس سے منہ موڑتے ہیں

اور نیز جاننا چاہیے کہ اذ قال ربک للملٰئکة اور اذ قال موسیٰ۔ کی امثال میں لفظ اذ حقیقةً ظرف زمنی ہی۔ لیکن بعد میں اُس کو تہویل وتخویف (ڈرانے ودھمکانے) کے معنی میں نقل کر لیا گیا ہے اور اسی کے مانند یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص خوفناک مواضع یا واقعات کو اسطرح گنواتا ہے کہ نہ اُن میں جملہ کی ترکیب دیتا ہے اور نہ اُن کے اعراب ہی کہتا ہے کیونکہ وہ ان

واقعات یا مواضع کو اس واسطے ذکر کرتا ہی کہ اُن کی صورت ذہن سامع میں اچھی طرح جم جائے اور اُن کے ذریعہ سے اُس کے قلب پر ایک گہرا خوف چھا جائے ایسے مقامات کے لیے تحقیق یہ ہی کہ اُن میں عامل کی جستجو کچھ ضروری نہیں ہی واللہ اعلم۔

جاننا چاہیے کہ انْ مصدریہ کے شروع سے کلمہ جارہ کو حذف کرنا کلام عرب میں شائع ہے اُس کے معنی کبھی لان اور کبھی بان اور کبھی وقت ان ہوتے ہیں اور نیز جاننا چاہیے کہ ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت۔ ولو یری الذین ظلموا کی امثال میں اصل یہ ہی کہ یہ شرط محذوف کا جواب ہوتا ہی۔ مگر اہل عرب نے اس قسم کی ترکیب کو معنی تعجب کیلیے نقل کر لیا ہے اس لیے یہاں شرط محذوف کا تلاش کی کوئی حاجت نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

ابدال - ایک کثیر الانواع تصرف کا نام ہی = ابدال میں کبھی ایک فعل کو دوسری کے جگہ میں مختلف اغراض کے لیے رکھتے ہیں اُن اغراض کا احاطہ کرنا اس کتاب کا مقصد نہیں ہی

پ ۱۷ ر ۳ اهذا الذی یذکر الهتکم اے یسب الهتکم۔ یہ کلام اصل میں اس طرح تھی اهذا الذی یسب الهتکم	یعنی کیا یہ وہی شخص ہی جو تمہارے معبودوں کو ذکر یعنی گالی دیتا ہے۔

لیکن چونکہ لفظ سب کا ذکر کرنا مکروہ معلوم ہوا اس لیے اُس کے بدلے لفظ ذکر لائے اس قسم کے محاورات عرف عام میں شائع ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کے دشمن بیماری میں مبتلا ہو گئے یا بندگان جناب یہاں تشریف لائے یا بندگان عالی جناب اس امر سے واقف ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ فلاں صاحب بیمار ہو گئے اور آپ یہاں تشریف لائے اور آپ اس امر سے واقف ہیں۔

مثال ثانی پ ر منا لا یصحبون اے منا لا ینصرون چونکہ نصرت بلا ملاقات وصحبت نہیں ہو سکتی اس لیے یصحبون اُس کے بدلے لائے

پ ۹ ر ۱۳ ثقلت فی السموات والارض لے ۵۱	ثقیل ہوئی یعنی قیامت آسمانوں اور زمینوں

خفیت لان الشئ اذا خفی علمہ ثقل علی السموات والارض	ہیں اے پوشیدہ ہوئی کیونکہ جب کسی شے کا علم پوشیدہ ہوا کرتا ہی تو آسمان اور زمین والوں پر دشوار ہوتا ہے
پ ۴ ر ۲ فان طبن لکم عن شیٍٔ منہ نفسا اے عفون[۱] لکم من شے من طیبتہ من نفوسھن	اگر تم کو بطیب خاطر کچھ معاف کر دیں

اور کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم کے مقابل لاتے ہیں :-

پ ۱۹ ر ۵ فظلت اعنا قہم لھا خاضعین[۲] اے خاضعۃ ۔ وکانت من القانتین اے من القانتات	پس ہوگئی گردنیں اُن کی واسطے اُن کے جھکنے والی اے خاضعۃ ۔ پس ہوگئے قنوت کرنیوالوں سے
۳-۱۱ ۔ ومالہم من ناصرین اے من ناصر	اور نہیں اُن کے لیے کوئی مددگار
۲۹-۶ ۔ فما منکم من احد عنہ حاجزین اے حاجز	پس نہیں کوئی تم میں سے اُسے روکنے والا
والعصران الانسان لفی خسر اے افراد بنی آدم یہاں انسان کو مفرد اس لیے لائے کہ وہ اسم جنس ہی ۔	قسم ہی عصر کی تحقیق انسان البتہ نقصان میں ہی
یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحا المعنی یا بنی آدم	اے آدم زاد تو اسی طرح گھسٹ گھسٹ کر اپنے پروردگار کی طرف چلا جا رہا ہی ۔

نوٹ صفحہ ۴۶

۱ اس مثال میں خفیت سے ثقلت بدلا گیا ہے کیونکہ پوشیدگی کے لیے گرانی ضرور ہے جو چیز پوشیدہ ہوتی ہی وہ گراں اور شاق ہوا کرتی ہے

۱ اس مثال میں عفون سے طبن سے بدلا ہے کیونکہ اس سے مراد وہ معافی ہے جو بطیب خاطر ہو ۔

۲ اس مثال میں بجائے خاضعۃ خاضعین اور بجائے قانتات قانتین اور بجائے ناصر کے ناصرین اور بجائے حاجز کے حاجزین لائے ہیں

یہاں پر بھی لفظ انسان کے مفرد لانیکی وہی وجہ اسم جنس ہونا ہی وحملہا الانسان یعنی بنی آدم - کذبت قوم نوح المرسلین ای نوحا وحدہ چونکہ تمام رسول وحدانیت کی تعلیم کرتے ہیں تو گویا ایک کی تکذیب تمام کی تکذیب ہی - انا فتحنا لک بجائے انی فتحت لک انا لقادرون ای انی لقادر یعنی انا لقادرون بجائے انا لقادر آیا ہی ولکن اللہ یسلط رسلہ ای لیسلط محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بجائے محمد کے رسلہ لائے ہیں الذین قال لہم الناس ای عروۃ الثقفی وحدہ یہاں اسم جنس سے خاص فرد یعنی عروہ ثقفی مراد ہے اور الناس بجائے اس کے مستعمل ہی - پ ۱۴ ر ۲۱ فاذاقہا اللہ لباس الجوع یعنی ذائقہ جزع اور گھبراہٹ کا یہاں پر طعم کو لباس سے اس لیے بدلا گیا ہے تاکہ ظاہر ہوجائے کہ لاغری اور پژمردگی انسان کے لیے بھوک کا اثر ہی جو تمام بدن کو مثل لباس کے عام اور شامل ہوتی ہے پ ۱ ر ۱۶ صبغۃ اللہ ای دین اللہ یہاں پر دین کو صبغۃ سے اس لیے بدلا ہی تاکہ ظاہر ہوجاوے کہ دین سے نفوس ایسے رنگے جاتے ہیں جیسا رنگ سے کپڑا یا قول نصاری کی مشاکلت ہی کہ وہ ولادت رنگ میں غوطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین میں داخل ہوگیا - وطور سینین ای طور سینا - سلام علی الیاسین ای علی الیاس دونوں اسم رعایت قافیہ کی وجہ سے بدلے گئے ہیں -

اور کبھی کسی حرف کو دوسرے حرف کی جگہ لاتے ہیں امثلہ پ ۹ ر ۷ فلما تجلی ربہ للجبل ای علی الجبل کوہ طور پر تجلی ربانی کی وہی صورت تھی جو اس سے پہلے شجر پر ہوچکی ہی - ہم لہا سابقون ای الیہا سابقون - بجائے الی کے لام آیا ہی پ ۱۹ ر ۱۶ لا یخاف لدی المرسلون الا من ظلم ای لکن من ظلم استیناف یعنی علیحدہ کلام ہے لاصلبنکم فی جزوع النخل بجائے علی فی آیا ہی لہم سلم یستمعون فیہ ای یستمعون علیہ یہاں پر بھی فی علی کی جگہ آیا ہی - السماء منفطر بہ ای منفطر فیہ بجائے فی کے با لائے ہیں - مستکبرین بہ ای عنہ یہاں عن با سے بدلا گیا ہے - اخذتہ العزۃ بالاثم ای حملتہ العزۃ علی الاثم یہاں با علی کے بجائے آیا ہے - اور اخذ بمعنی حمل ہی - فاسأل بہ خبیرا ای فاسأل عنہ یہاں عن کی جگہ با آیا ہے -

لاتاکلوا اموالہم الی اموالکم ای مع اموالکم ۔ الی المرافق ۔ ای مع المرافق ۔ ہر دو مثال
میں الٰی مع کی جگہ مستعمل ہوا ہی ۔ یشرب بہا عباد اللہ یشرب منہا با من کی جگہ لائی گئی ہی
وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علے بشر من شئی ای ان قالوا یہاں اذ بجائے
ان لایا گیا ہی

اور کبھی کسی جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ رکھتے ہیں ۔ مثلاً اگر ایک جملہ دوسرے جملہ
کے حاصل معنی اور اس کے وجود کے سبب پر دلالت کرتا ہے تو ایسے موقع پر جملہ اولے کو
دوسرے جملہ سے بدل دیا جاتا ہی ۔ مثلاً پ۲ ر۱۲ وان تخالطوہم فاخوانکم ای وان تخالطوہم
لاباس بذلک کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان باہمی مخالطت اور میل
جول ہی مثال ہذا میں چونکہ فاخوانکم لاباس کے حاصل معنی پر دلالت کرتا ہی لہذا بجائے
لاباس بذلک فاخوانکم فی الدین لے آئے پ۱ ر۱۲ لمثوبۃ من عند اللہ خیر ای لو جدوا
ثوابا مثوبۃ من عند اللہ خیر ۔ اس آیت میں بھی لمثوبۃ چونکہ لوجدوا کے حاصل معنی پر دلالت
کرتا ہے لہذا اولے بجائے ثانیہ کے رکھا گیا پ۱۳ ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل ای ان
سرق فلا عجب لانہ سرق اخ لہ من قبل ۔ اس آیت میں بھی آیت ثانیہ سے چونکہ وہ معنی سمجھے
جاتے تھے اس لیے جملہ اولے کی ضرورت نہ ہوئی من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک
باذن اللہ ای من کان عدوا لجبریل فان اللہ عدو لہ یعنی جو شخص جبریل کا دشمن ہی تحقیق
اللہ اُس کا دشمن ہی کیونکہ جبریل تیرے قلب پر اُسی کے حکم سے نازل کرتا ہے پس
جبریل کا دشمن اس امر کا مستحق ہی کہ اللہ اُس سے دشمنی کرے ۔ یہاں آیت ثانیہ
کی وجہ سے فان اللہ عدو لہ کو حذف کر دیا ہے اور اُس کے بدل فانہ نزلہ علے قلبک
لائے ہیں ۔

اور بعض اوقات ابدال کی یہ صورت ہوتی ہی کہ اصل کلام تنکیر کو چاہتا ہے لیکن
اُس میں لام یا اضافت کو داخل کر کے تصرف کرتے ہیں ۔ مگر وہ کلام اپنی اُسی سابق تنکیر

پر رہتا ہے پ ۲۵ ر۱۳ وقیلہ یارب ای رب قیل لہ یارب قیلہ یارب سے اس لیے بدلا گیا ہے
کہ یہ لفظ اُس کے اعتبار سے زیادہ مختصر ہے حق الیقین ای حق یقین اس لیے اضافت
کیا گیا ہی کہ لفظ میں زیادہ آسان ہی۔ اور کبھی کلام کی صفت طبعی کا اقتضا تذکیر ضمیر یا تانیث
یا افراد ہوتا ہے مگر اس کو اقتضا طبعی سے ہٹا کر مذکر کے بدلے مونث اور مونث کے بدلے
مذکر اور مفرد کے عوض جمع صرف معنوں کا خیال کر کے لاتے ہیں مثلاً فلما رای الشمس
بازغۃ قال ہذا ربی ہذا اکبر تا من القوم الظالمین اس آیت میں اسم اشارہ مذکر بجائے
مونث کے استعمال کیا گیا ہی مثلہم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذہب اللہ
بنورہم اس آیت میں ضمیر جمع بجائے ضمیر مفرد لائے ہیں اور کسی وقت بجائے تثنیہ
کے مفرد ذکر کرتے ہیں جیسے الا ان اغنہم اللہ ورسولہ من فضلہ میں فضلہ بجائے فضلہما
ہے ان کنت علی بینۃ من ربی واتانی رحمۃ من عندہ فعمیت علیکم اصل میں فعمیتا تھا مفرد
اس لیے لائے کہ دونوں مثل شے واحد کے ہیں۔ اور اسی کے مثل اللہ ورسولہ
اعلم ہے۔

اور کبھی کلام کی صفت طبعی کا اقتضا ہوتا ہی کہ جزا کو صورت جزا میں اور شرط
کو صورت شرط میں اور جواب قسم کو اس کی اصلی صورت میں ذکر کیا جائے کسی خاص
معنی کیجانب میلان کیوجہ سے اس میں تصرف کرتے اور اُن اجزا کو مستقل بنا دیتی
ہیں۔ اور ساتھ ہی ایک قرینہ بھی قائم کر دیتی ہیں تاکہ وہ اُس کے اصل (عدم استقلال)
کی جانب کسی نہ کسی طریقہ سے دلالت کرتا ہی۔ والنازعات غرقا والناشطات نشطا و
السابحات سبحا فالسابقات سبقا فالمدبرات امرا یوم ترجف الراجفۃ۔ معنی یہ ہیں کہ حشر و نشر
حق ہی یوم ترجف اس پر دلالت کرتا ہی والسماء ذات البروج والیوم الموعود وشاہد ومشہود
قتل اصحاب الاخدود النار معنی یہ ہیں کہ اعمال کی مجازاۃ حق ہی۔ اذا السماء انشقت واذنت
لربہا وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیہا وتخلت واذنت لربہا وحقت یا ایہا الانسان

انک کادح۔ معنی یہ ہیں کہ حساب اور جزا ہونے والے ہیں۔
اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسلوب کلام کو منقلب کر دیا جاتا ہے مثلاً اسلوب کلام خطاب
کو مقتضی ہوتا ہے اور غائب لے آتے ہیں جیسا کہ حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بہم بریح طیبۃ
میں بہم بجائے بکم کے لایا گیا ہے اور کبھی انشا کو خبر کے اور خبر کو انشا کی جگہ استعمال کرتے
ہیں مثال پ ۲۹ ر ۲ فامشوا فی مناکبہا ای فتمشوا ان کنتم مومنین ای ایمانکم یقتضی ہذا۔ اس
مثال میں جملہ انشائیہ جملہ خبریہ کی جگہ مستعمل ہوا ہے۔ من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل
معنی یہ ہیں کہ بنی آدم کے حال پر قیاس کر کے ہمنے فرض کیا ہے یا اولاد آدم کی مثال حال پر
قیاس کر کے فرض کیا ہے۔ مثال حال سے من اجل ذلک بدلا گیا ہے کیونکہ قیاس
بدون ملاحظہ علت نہیں ہوتا گویا کہ قیاس تعلیل کی قسم ہے۔ آرءیت اصل رویت سے
استفہام ہے کیونکہ ہمزہ استفہامیہ ہے مگر یہاں پر اس لیے تاکہ استماع کلام آئندہ پر تنبیہ ہو
استفہام سے نقل کر لیا ہے۔ چنانچہ ہیچ می بینی ہیچ می شنوی (کچھ دیکھتا ہے کچھ سنتا ہے) عام
طور سے بولتے ہیں۔ اور تقدیم و تاخیر سے بھی معنی کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے
اس کی مثال یہ مشہور شعر ہے ؎

بلا جرم اتیت بہ سلاما
شبنۃ شانہا سلبت فوادی

یہاں پر شبنہ جو فاعل سلبت ہے مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ سے فہم معنی میں کچھ دشواری ہوگئی ہے
اور امر بعید سے تعلق اور اس کے مماثل اشیاء بھی کلام میں گنجلک پیدا کرتے ہیں مثال پ ۱۴ ر ۴
الا آل لوط انا لمنجوہم اجمعین الا امرأتہ یہاں استثنا پر استثنا لایا گیا ہے اس لیے دشواری
پیدا ہوگئی فما یکذبک بعد بالدین قول سابق یعنی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم سے متصل
پ ۱۷ ر ۹ یدعو لمن ضرہ اقرب من نفعہ ای یدعو من ضرہ یعنی اس کے ضرر سے پکارتا ہے پ ۲۰ ر ۱۱
لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ ای لتنوء العصبۃ بہا پ ۶ ر ۷ وامسحوا برءوسکم وارجلکم ای اغسلوا ارجلکم
یعنی ارجل مکسور نہیں جو امسحو کے تحت میں ہو بلکہ منصوب ہے پ ۱۶ ر ۱۷ ولولا کلمۃ سبقت من ربک

لکان لزاما واجل مسمی ای و لولا کلمۃ سبقت واجل مسمی لکان لزاما یعنی اجل مسمی کلمۃ پر معطوف ہی
لزاما پر نہیں س ۲۰ ر ۱۶ ان لا تفعلوہ تکن فتنۃ۔ فعلیکم النصر سے متصل ہی ش ۲۸ ر ۷ الا قول ابراہیم۔ کانت
لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم سے متصل ہی۔ یسئلونک کانک حفی عنہا ای یسئلونک عنہا کانک
حفی۔ سنن طبعی پر زیادتی کی چند اقسام ہیں۔ یہ زیادتی کبھی صفت سے حاصل ہوتی ہی
۷-۱۰ ولا طائر یطیر بجناحیہ ۲۹-۷ خلق الانسان ہلوعا اذا مسہ الشر جزوعا و اذا مسہ الخیر
منوعا اور کبھی ابدال سے ۸-۷ للذین استضعفوا لمن آمن منہم اور کبھی عطف تفسیری سے
۲۶-۲ حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ اور کسی وقت تکرار سے ۱۱-۱۲ وما یتبع الذین
یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن یہاں اصل کلام یوں ہی وما یتبع الذین یدعون
من دون اللہ شرکاء الا الظن ۱-۱۱ ولما جاءہم کتاب من عند اللہ مصدق لما معہم وکانوا من
قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ س ۴ ر ۱۲ ولیخش الذین لو ترکوا من خلفہم ذریۃ ضعافا
خافوا علیہم فلیتقوا اللہ اس آیت میں تکرار معنی ہی یعنی خشیہ و خوف ایک معنی میں ہی اور خافو مکرر آیا ہی ۲-۸
یسئلونک عن الاہلۃ قل ہی مواقیت للناس والحج یعنی اہلۃ (ہلال) لوگوں کیلیے اسلیے مواقیت ہیں کہ خداوند تعالی ذ
اُن کے ساتھ ان کے لیے توقیت اور حج شروع فرمایا ہی اس اعتبار سے کہ حج کے لیے
اُن کے ساتھ توقیت حاصل ہی۔ اگر ہی مواقیت للناس فی حجہم کہا جاتا مختصر ضرور ہوتا
لیکن اس مقام پر کلام طویل لایا گیا ہی ۷-۲ لتنذر ام القری ومن حولہا وتنذر
یوم الجمع ای تنذر یوم القری یوم الجمع س ۲ ر ۲۰ وتری الجبال تحسبہا جامدۃ ای ترا الجبال
جامدۃ چونکہ رویت چند معنی کے لیے آتی ہی اس واسطے حسبان زیادہ کردیا گیا تاکہ معلوم
ہو جائے کہ رویت بمعنی حسبان ہی۔ ۲-۱۲ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین
مبشرین ومنذرین وانزل معہم الکتاب بالحق فیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ وما اختلف
فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتہم البینات بغیا بینہم فہدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا
فیہ من الحق باذنہ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ مابین کلام منتظم کے جو جملہ

وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ داخل کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے تاکہ ضمیر اختلفوا کا بیان اور مراد اختلاف کا اظہار ہو جائے کہ یہاں پر اختلاف سے کیا مراد ہے امت دعوت میں نزول کتاب کے بعد جو اختلاف واقع ہوا ہے کہ بعض ایمان لائے اور بعض نہیں یہی اختلاف مراد ہے۔ اور بعض اوقات اضافت کے لیے فاعل یا مفعول پر حرف جر زیادہ کرتے ہیں اور حرف جر کے ذریعہ سے اس کو مفعول فعل تاکید اتصال کی وجہ سے بناتے ہیں۔ ۱۰۰-۱۱ یوم یحمی علیہا ای تحمی ہی۔ آیت ہذا میں علی زیادہ کیا گیا ہے۔ ۶-۱۱۔ وقفینا علی آثارہم بعیسی ابن مریم ای قفیناہم بعیسی ابن مریم اس آیت میں علی آثار بڑھا گیا ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ حرف واؤ بہت جگہ تاکید اتصال کی غرض سے آتا ہے اور عطف کے لیے نہیں ہوتا اذا وقعت الواقعۃ۔ وکنتم ازواجا ثلثۃ۔ وفتحت ابوابہا ولیمحص اللہ یہ تمام مثالیں تاکید اتصالی کی ہیں یہاں پر واؤ عطف کے لیے نہیں ہے اور حرف فا بھی یوں ہی زائد آتا ہے۔ قسطلانی نے باب المعتمر اذا طاف طواف العمرۃ ثم خرج ہل یجزئہ من طواف الوداع میں بیان کیا ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان میں ان کی تاکید اتصال کے لیے حرف عاطف کا لانا درست ہے مثلاً ۱۰-۳ اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض اس آیت میں منافقون اور الذین موصوف صفت ہیں حرف واو جو درمیان میں ہے عطف کے لیے نہیں تاکید اتصال کے واسطے ہے۔ سیبویہ کہتا ہے کہ یہ مررت بزید وصاحبک کے مثل ہے جب کہ اس کلام میں صاحب سے زید ہی مراد ہو۔

اور ۱۴-۱ وما اہلکنا من قریۃ الا ولہا کتاب معلوم کے ذیل میں زمخشری کہتا ہے کہ یہ جملہ (لہا کتاب معلوم) لفظ قریہ کی صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت وموصوف کے درمیان واؤ نہ آئے۔ مثلاً قولہ تعالے وما اہلکنا من قریۃ الا لہا منذرون لیکن یہاں پر واؤ صفت وموصوف کے اتصال کی تاکید کے لیے آیا ہے جیسا کہ حال میں بھی کہا جاتا ہے

جا نی زید علیہ ثوب و جانی و علیہ ثوب انتہی۔

اور کبھی ضمیر کی پراگندگی ۔ اور ایک کلمہ سے دو معنی کا مراد لینا فہم مراد میں دشواری لاتا ہی۔ ۲۵۔ ۱۵۔ وانہم لیصدونہم عن السبیل ویحسبون انہم مہتدون ۔ یہ انتشار ضمیر کی مثال ہی یعنی ان الشیاطین لیصدون الناس عن السبیل ویحسبون انہم مہتدون یہ شیاطین آدمیونکو راستے سے روکتے ہیں اور وہ یعنی انسان اپنے مہتد ہونے کا گمان کرتے ہیں۔ ہم کی ضمیر شیاطین کی جانب پھرتی ہی اور لیصدونہم کی ناس کی طرف اور یحسبون سے ناس ہی مراد ہیں یہ انتشار ضمیر کی صورت ہی۔ وقال قرینہ ایک جگہ شیطان مراد ہی اور دوسری جگہ فرشتہ یہ مثال ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کی ہی

۲۔ ۱۰ ایسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر } ہر دو آیت کے دو معنی ہیں اول معنی
۲۔ ۱۱ ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو } انفاق ما ینفقون وای نوع من الانفاق

ینفقون یعنی خرچ کرنے کی جس قسم سے وہ خرچ کرتے ہیں اور یہ مصرف سے دریافت کرنے پر صادق ہی کیونکہ خرچ کرنا مصارف کے اعتبار سے چند قسم ہی۔ معنی ثانی ای مال ینفقون یعنی جو مال تقسیم کرتے ہیں۔

اور لفظ جعل وشی وغیر کا معانی مختلفہ کے لیے مستعمل ہونا بھی اسی قبیل سے ہی یعنی فہم مراد میں صعوبت پیدا کرتا ہی جعل کبھی تو خلق کے معنی میں آتا ہی جیسے جعل الظلمات والنور میں یعنی تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا اور کبھی بمعنی اعتقد کے ۔ ۸۔ ۳ وجعلوا اللہ مما ذرأ اور لفظ شی کبھی فاعل اور کبھی مفعول مطلق کی جگہ آتا ہی ۲۷۔ ۴۔ ام خلقوا من غیر شی ای من غیر خالق یعنی کیا وہ بغیر خالق کے پیدا کیے گئے ہیں یہاں پر شے بجائے خالق کے مستعمل ہوئی ہی۔ ۱۵۔ ۲۱ فلا تسئلنی عن شے ای عن شے مما یتوقف فیہ من امری یعنی اور میرے کاموں میں سے اچھی چیز کی نسبت جس میں تجھکو تامل ہو سوال نکر اور لفظ امر و نبا و خطب سے کسی وقت مخبر عنہ اقصہ مراد لیتے ہیں ہو نبا عظیم ای قصۃ عجیبۃ

یعنی وہ عجب قصہ ہے۔ علی ہذا الفاظ خیر و شر اور انکے ہم معنی الفاظ ہر مقام پر بدلے جاتے ہیں۔

اور انتشار آیات بھی اسی قبیل سے ہے۔ مثلاً ایک آیت جس کا اصلی موقع قصہ کے ختم کرنے کے بعد ہی اُس کو کبھی قصہ کے تمام ہونے سے بیشتر ہی بیان کر دیتے ہیں اور پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے اور اُس کو تمام کرتے ہیں۔ اور کوئی آیت کبھی نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہوتی ہے۔ قد نری تقلب وجھک نزول میں مقدم ہے اور سیقول السفہاء مؤخر لیکن تلاوت میں قصہ برعکس ہے اور کسی وقت جواب کو کفار کے کلام کے درمیان میں ذکر کیا جاتا ہے ولا تومنوا الا لمن تبع دینکم قل ان الہدی ہدی اللہ ان یوتی احد مثل ما اوتیتم۔

الحاصل یہ مباحث نہایت تفصیل چاہتے ہیں لیکن ہم نے جس قدر بیان کیا وہ کافی ہے۔ سعادتمند طالب علم اگر ان مسائل کو دل میں جاگزین کرلے گا تو وہ کلام اللہ پڑھتے وقت ادنی غور سے بات کی تہ کو پہنچ جائے گا اور امور غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کر کے ایک مثال سے دوسری مثالوں تک اس کی رسائی ہوسکے گی۔

جاننا چاہیئے کہ محکم اس کلام کو کہتے ہیں جس سے زبان کا جاننے والا سوائے ایک معین معنی کے نہ سمجھ سکے مگر اُس سمجھنے میں اعتبار پہلے عربوں کا ہے نہ کہ ہمارے زمانے کی بال کی کھال نکالنے والوں کا جن کی موشگافی ایک ایسا سخت ترین مرض ہے جس کے ذریعہ سے وہ محکم کو متاشبہ اور معلوم کو مجہول بنا ڈالتی ہیں۔

اور متشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معنی کا احتمال ہو۔ یا ضمیر کے دو مرجعوں کی جانب لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے جیسا کسی نے کہا ہے اما ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنہ اللہ یعنی مجکو امیر نے حکم کیا ہے کہ فلاں شخص کو لعنت کروں اللہ اس کو لعنت کرے یہاں اشتباہ ہے کہ اس کو لعنت کرنے سے کیا مراد ہے آیا شخص مامور رہے یا آمر اور

یا اس وجہ سے کہ وہ کلمہ دو معنی میں مشترک ہی مثلاً لامستم جماع ۔ اور چھونے میں مشترک ہی اور یا اس وجہ سے کہ قریب اور بعید دونوں پر عطف کا احتمال ہو مثلاً وامسحوا برؤسکم وارجلکم درصورت قراۃ کسرہ یا یہ کہ عطف اور استیناف دونوں کا احتمال ہو جیسے وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم

اور کنایہ اُس کلام کو کہتے ہیں جس میں کسی حکم کو ثابت تو کیا جائے مگر خاص اُس حکم کا اثبات مقصود نہو بلکہ یہ منظور ہو کہ اس سے مخاطب کا ذہن ایسی شے کی طرف منتقل ہو جائے جو اس حکم کو عادۃً یا عقلاً لازم ہو۔ مثلاً عظیم الرماد سے مہمانداری کی کثرت اور یداہ مبسوطتان سے سخاوت سمجھ میں آتی ہی اور اپنے مراد کی تصویر محسوسات سے کھینچنا بھی کنایہ کے ہی قبیل سے ہی ۔ اور یہ ایک نہایت وسیع باب ہی جس سے عربوں کے اشعار و خطبات اور کلام اللہ و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں مثلاً واجلب علیہم بخیلک و رجلک اس جگہ ڈاکوؤں کے سردار سے تشبیہ دی گئی ہی جیسا کہ وہ (غارت گری کے وقت) اپنے ساتھیوں کو للکارتا ہی کہ ادہر سے حملہ کرو اور اس طرف سے گھس پڑو وجعلنا فی اعناقہم اغلالا ۔ اس آیت میں تدبر آیات سے کفار کے اعراض کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہی جس کو یا تو زنجیروں سے جکڑ دیا ہو یا اُس کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کردی گئی ہوں تاکہ وہ کچھ نہ دیکھ سکے اور مثلاً واضمم الیک جناحک من الرہب یعنی خاطر جمع رکھ اور پریشانی کو دور کردے ۔

اور عام محاورہ میں اس کی نظیر یہ ہی کہ مثلاً اگر کسی شخص کی شجاعت کا بیان کرتے ہیں تو تلوار کے ایک دو ہاتھ اِدہر اُودہر جھاڑ کر بتاتے ہیں کہ وہ یوں تلوار چلاتا ہی گو اُس نے مدت العمر تلوار ہاتھ میں نہ پکڑی ہو ۔ لیکن اس نعل سے مقصود اس امر کا اظہار ہوتا ہی کہ فلاں شخص اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ بہادر ہی ۔ یا کسی کا مقولہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہی کہ زمین پر کسی کو ایسا بہادر نہیں پاتا جو مجھسے مقابلہ کی تاب رکھتا ہو

یا کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا کرتا ہے اور ایسی ہیئت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا اظہار فتحمند پہلوان اپنے حریف کے مغلوب ہونے کے وقت کرتا ہے، اگرچہ اس نے کبھی یہ کلمہ نہ کہا ہو یا یہ فعل نہ کیا ہو۔ یا مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص میرا گلوگیر ہو رہا ہے یا فلاں شخص نے میرے گلے میں ہاتھ ڈالکر لقمہ نکال لیا ہے۔ ان تمام صورتوں کو از قسم تصویر سمجھنا چاہیے۔

تعریض یہ ہے کہ حکم تو عام ہو لیکن مقصود کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا کسی خاص شخص کے حال پر تنبیہ کرنا ہو اور اسکی بعض خصوصیات کلام میں لائی جاویں اور مخاطب کو اُس شخص سے واقف نہ کیا جاوے۔ اس قسم کے مقامات میں قرآن مجید کا پڑھنے والا نگران خاطر رہتا اور اُس قصہ کا محتاج ہوتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی خاص شخص کے فعل پر انکار کرنا چاہتے تھے تو فرمایا کرتے تھے، "کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا کرتے ہیں"، اسیطرح اس آیت میں "وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون الخیرۃ من امرہم"، (اور کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ شایاں نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول (ان کے بارے میں) کوئی بات ٹھیرا دیں تو اُس بات میں اُس کا اپنا اختیار باقی رہے)، حضرت زینب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت "ولا یاتل اولوالفضل منکم والسعۃ"، میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایسی صورتوں میں جبتک قصہ نہ معلوم ہو مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو حقیقۃ میں اُس کا فاعل نہیں ہے اور ایسی چیز کو مفعول بہ بنا دیں جو درحقیقت مفعول بہ نہیں ہے۔ اُس مشابہت کے علاقہ کی وجہ سے جو اُن دونوں کے درمیان ہوتا ہے متکلم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بھی ان میں داخل

---

۱ اور تم میں سے لوگ بزرگ منش اور صاحب مقدور ہیں وہ اپنے قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد خرچ نہ دینکی قسم نہ کھا بیٹھیں"، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے خالہ زاد بھائی مسطح کی مدد نہ کرینگے جب یہ آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سنائی تو آپنے فرمایا کہ واللہ میں کبھی اپنا احسان اُس سے منقطع نہ کرونگا۔ (تفسیر تبصیر الرحمن جلد دوم)

اور انکی جنس سے ہے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے محل بنایا حالانکہ بنانے والے معمار ہوتے ہیں یا بہار نے سبزہ اوگایا حالانکہ حقیقت میں اوگانے والا حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہو واللہ اعلم بالصواب

باب سوم

قران مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں۔ اور یہ بحث تین فصلوں میں بیان کی جاویگی

فصل اوّل - قران مجید کو مثل معمولی کتابوں کے ابواب اور فصول میں اس طرح مرتب نہیں کیا گیا کہ ہر مبحث ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا، بلکہ قران مجید کو مثل مجموعہ مکتوبات کے فرض کرنا چاہئیے جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورت وقت ایک فرمان لکھتے ہیں اوس کے بعد دوسرا اور تیسرا فرمان لکھتے ہیں یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو جمع کرکے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے۔ اسی طرح اُس بادشاہ علی الاطلاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوں کی ہدایت کے لئے حسب ضرورت وقت قران مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر ایک سورۃ جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی۔ آپ نے ان کو مدون نہیں فرمایا تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئیں۔ اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قران مجید کی سورتیں چار قسموں پر منقسم تھیں۔ اوّل طوال جو سب سے بڑی سورتیں ہیں۔ دوم مئین جن میں سے ہر ایک کی سَو آیتیں یا سَو سے کچھ زیادہ ہیں سوم مثانی جنکی آیتیں سَو سے کم ہیں۔ چہارم مفصل ۔ قران مجید کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی کی قسم سے تھیں وہ مئین میں داخل کی گئیں اس لئے کہ اُن کا سیاق مئین کے سیاق سے مناسبت رکھتا تھا۔ علی ہذا القیاس بعض اقسام میں کسیقدر اور بھی تصرف کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق چند نسخے لکھوا کر اطراف میں بھیجدیئے تاکہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھاویں اور کسی دوسری

ترتیب کی طرف مائل ہوں۔

چونکہ سورتوں کا اسلوب بیان شاہی فرامین کے اسلوب سے پوری مناسبت رکھتا تھا اس لئے سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں مکاتیب کے طریقہ کی رعایت رکھی گئی جس طرح بعض مکاتیب خدا کی تعریف سے شروع کئے جاتے ہیں اور بعض بیان غرض سے اور بعض کاتب یا مکتوب الیہ کے نام سے اور بعض رقعے اور شقے بغیر عنوان کے ہوتے ہیں۔ نیز بعض مکتوب طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں، اسیطرح خداوند جلت عظمتہٗ نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع فرمایا اور بعض کو بیان غرض سے۔ چنانچہ فرمایا "ذالک الکتاب لاریب فیہ ہدیً للمتقین"۔ "سورۃ انزلناہا و فرضناہا"[۳]، یہ قسم اُس عنوان کے مشابہ ہے جو دستاویزوں کے آغاز میں لکھا جاتا ہے مثلاً "ہذا ما صالح فلاں و فلاں و ہذا ما اوصی بہ فلاں"[۱] یا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ میں لکھا تھا: "ہذا ما قاضی علیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم"[۲]

بعض مرسل و مرسل الیہ کے نام سے شروع کی گئیں جیسا کہ فرمایا ہے "تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم۔ کتٰبٌ احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر"[۴] یہ قسم اُس کے مشابہ ہے جیسا کہ لکھا جاتا ہے۔ حکم بارگاہ خلافت سے صادر ہوتا ہے یا باشندگان فلاں شہر کو بارگاہ خلافت سے آگاہ کیا جاتا ہے"، اور جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا: "من محمد رسول اللہ الیٰ ہرقل عظیم الروم"، اور بعض سورتیں

۱؎ یہ وہ ہے جس پر فلاں و فلاں نے باہم صلح کی۔ یہ وہ ہے جس کی فلاں شخص نے وصیت کی۔

۲؎ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا۔

۳؎ یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں پرہیزگاروں کی رہنما ہے۔ یہ وہ سورہ ہے جسکو ہم نے اُتارا۔

۴؎ یہ فرمان تحریری پیشگاہ خداوندی سے صادر ہوتا ہے جو زبردست اور حکمت والا ہے۔ یہ ان ایسی کتاب ہے کہ حکمت والے باخبر اللہ کی طرف سے اس کی آیتیں محکم اور مفصل کی گئی ہیں۔

بطور رقعوں اور شقوں کے بغیر عنوان کے ہیں جیسا کہ اذا جارک المنافقون - قد سمع اللہ
قول التی تجادلک فی زوجہا - یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک -

چونکہ عرب کی مشہور فصاحت کا نمونہ قصائد ہیں اور وہ اپنے قصیدوں کے آغاز میں عجیب و غریب مقامات اور ہولناک واقعات کے ساتھ تشبیب کرتے تھے اور یہ رسم قدیم سے ان کے یہاں چلی آتی تھی - خداوند تعالے نے بعض سورتوں میں اس اسلوب کو اختیار فرمایا - مثلاً ،، والصافات صفاً فالزاجرات زجراً - والذاریات ذرواً فالحاملات وقراً - اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت ،، اور جس طرح کہ مکاتیب کو کلمات جامعہ اور وصایائے نادرہ اور احکامات سابقہ کے لئے تاکیدات اور انکی مخالفت کرنے والے کے لئے تہدیدات پر تمام کرتے ہیں - ایسی ہی خداوند تعالیٰ نے بھی سورتوں کے آخری حصہ کو کلمات جامعہ اور حکمت کے سرچشموں اور تاکیدات بلیغہ اور تہدیدات عظیمہ پر ختم فرمایا - اور کبھی سورۃ کے درمیان میں کوئی نہایت مفید اور نرالے اسلوب کا بلیغ کلام مثلاً حمد و تسبیح یا بیان انعام و احسان شروع کیا جاتا ہے - مثلاً اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے خالق اور مخلوق کے مرتبہ کے فرق سے شروع کیا ہے - قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ اللہ خیر اما یشرکون - اور اسکے بعد پانچ آیتوں میں اسی مدعا کو نہایت بلیغ طریقوں اور نرالے اسلوب کیساتھ بیان فرمایا - اور مثلاً خداوند جل شانہ نے سورہ بقرہ کے اندر بنی اسرائیل سے مناظرہ - یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم سے شروع فرمایا - اور آگے جاکر اس مناظرہ کو اسی کلمہ پر ختم فرمایا - مناظرہ کی ابتدا جس کلام سے ہو اُسی پر اس کا ختم کرنا بلاغت کے اعتبار سے نہایت زبردست مقام رکھتا ہے - اور ایسے ہی اہل کتاب سے مناظرہ سورہ آل عمران کے ابتدائی حصہ میں اس آیت سے شروع فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام - اسکی وجہ یہ ہے کہ محل نزاع (مبحث) کی تعیین اول ہو جائے اور آئندہ گفتگو اسی ایک مدعا پر کی جاوے - واللہ اعلم بحقیقۃ الحال -

۵۱ حاشیہ ملاحظہ ہو بصفحہ آئندہ :-

حاشیہ صفحہ ۵۸/۲ خالق اور مخلوق کا فرق مراتب جو اس آیت میں بالاجمال بیان کیا گیا ہے
اُسکی تفصیل جن پانچ آیتوں میں کی گئی ہے وہ مع ترجمہ اُردو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ
لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ
ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا
شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
يَّعْدِلُوْنَ ○ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا
وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا
رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ
يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ
الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ○ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ
بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ
اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

بھلا کس نے بنائے آسمان و زمین اور برسایا تمہارے لئے آسمان سے پانی پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ رونق کے تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے ان کے درخت اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ (کوئی نہیں)، مگر وہ لوگ ناحق کجروی کرتے ہیں. بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور بنائیں اُسکے بیچ میں ندیاں اور رکھے اُسمیں بوجھ اور رکھے دو دریاؤں میں اُوٹ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ (کوئی نہیں)، مگر امنیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ بھلا کون ہے جو پھنسے کی پکار کو پہنچتا ہے جب اُس کو پکارتا ہے اور ٹالدیتا ہے مصیبت کو اور کرتا ہے تمکو نائب زمین پر اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ مگر تم غور و فکر کم کرتے ہو۔ بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل اور دریا کے اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانیوالیں اُسکی رحمت کی اب کوئی حاکم ہے اللہ کیساتھ اللہ برتر ہے اُس سے جو وہ شریک بتاتے ہیں بھلا کون ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر بار بار ویسی ہی مخلوقات پیدا کرتا رہتا ہے اور کون ہے جو تمکو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ۔ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو۔

فصل دوم

جیسا کہ قصائد اشعار پر منقسم ہوتے ہیں ایسے ہی اکثر سورتوں میں سنت اللہ یوں جاری ہی کہ وہ آیات پر منقسم ہوتی ہیں مگر آیات اور اشعار میں فرق ہی۔ آیات اور ابیات دونوں بجاز قسم نشید ہیں متکلم اور سامع کے التذاذ نفس اور خط طبعی کے لیے انشا کی جاتی ہیں۔ لیکن ابیات عروض اور قافیہ کی پابند ہوتی ہیں جن کو خلیل نحوی نے مدون کیا ہی۔ اور عام شعرا نے انہیں اُس سے حاصل کیا ہی اور آیات کی بُنیاد ایک ایسے اجمالی وزن و قافیہ پر ہوتی ہی جو امر طبعی سے زیادہ تر مشابہ ہی اور عروضیوں کے افاعیل تفاعیل اور اُنکے معین کردہ قوافی پر نہیں ہوتے جو محض مصنوعی اور اصطلاحی امور ہیں۔ اور اُس امر عام کی تنقیح جو آیات اور ابیات میں مشترک ہی اور جسکو ہم نے نشید سے تعبیر کیا ہی اور پھر ان تمام امور کو ضبط کرنا جنکا آیات میں التزام کیا گیا ہی اور جو بمنزلہ فصل کے ہی زیادہ تفصیل چاہتا ہی" واللہ ولی التوفیق

تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہی کہ فطرت سلیم موزوں اور مقفی قصائد اور نغمیں جیزدل وغیرہ سے ایک خاص لطف اور خاص ذوق وحلاوت کا احساس کرتی ہی۔ اگر اس احساس کے سبب کی جستجو کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسا کلام جسکے اجزا باہم موافقت رکھتے ہوں مخاطب کے نفس میں ایک قسم کی لذت دیتا اور اُسکے مثل دوسرے کلام کا انتظار اُسکے دل میں پیدا کر دیتا ہی اور جب اسکے بعد دوسرا شعر اُسی موافقت اجزا کیساتھ مخاطب کے نفس پر واقع ہوتا ہی اور جس چیز کا انتظار تھا وہ موجود ہو جاتی ہی تو وہ لذت سابق دوبالا ہو جاتی ہی اور اگر وہ دونوں بیت قافیہ میں بھی شریک ہوں تو وہ لذت سہ چند ہو جاتی ہی پس انسان کی قدیم فطرت کا یہی راز ہی جس کی بنا پر اُسکو اشعار سے لذت حاصل ہوتی ہی اور معتدل اقالیم کے تمام سلیم المزاج اشخاص اس اصول میں باہم متفق ہیں لیکن ہر بیت کے اجزا کے موافق اور قافیہ کے شرائط کی نسبت جو اشعار میں مشترک ہوتا ہی

اُنکے مسلک باہم مختلف اور اُنکے عادات متبائن ہو گئے ہیں۔ اہل عرب ایک خاص قانون
رکھتے ہیں جسکی تشریح خلیل نے کی ہے۔ اور ہندوؤں کے ہاں دوسرا طریقہ ہے جو اُنکے سلیقہ اور مذاق
کے تابع ہے۔ علیٰ ہذالقیاس ہر زمانہ کے لوگوں نے ایک خاص وضع اختیار کی اور ایک خاص
شاہراہ قائم کر کے اُسپر چلتے ہیں اگر ہم ان متبائن عادات اور مختلف رسوم میں امر جامع اور سر
مشترک کی دریافت کرنا چاہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اجزاے کلام میں تخمینی موالفت و مناسبت
کے سوا کوئی دوسری شے نہیں ہے۔ مثلاً عرب مستفعلن کی جگہ مفاعلن اور مفتعلن لے آتے
ہیں اور فاعلاتن کے بجاے فعلاتن اور فاعلتن کو لانا باقاعدہ خیال کرتے ہیں اور وہ
ایک بیت کی ضرب کی موافقت دوسری بیت کی ضرب کیساتھ اور ایک کے عروض
کی دوسری بیت کے عروض کیساتھ ضروری خیال کرتے ہیں اور حشو میں بکثرت زحافات
تجویز کرتے ہیں۔ مگر شعراء فارس کے نزدیک زحافات مکروہ اور قبیح سمجھے جاتے ہیں.
علیٰ ہذا شعراء عرب اگر ایک بیت میں قبور آہو تو دوسری بیت میں منیر اچھا سمجھتے ہیں مگر
شعراء عجم اسکے خلاف ہیں علیٰ ہذا شعراء عرب حاصل و داخل و نازل کو ایک ہی قسم شمار
کرتے ہیں بخلاف شعراء عجم کے وہ اُن الفاظ کو ایک قسم شمار نہیں کرتے ایک کلمہ کا دونوں
مصرعوں کے درمیان اسطرح واقع ہونا کہ وہ آدھا اول مصرع میں اور آدھا دوسرے
میں شامل ہو عربوں کے نزدیک صحیح ہے مگر شعراء عجم اسکو جائز نہیں رکھتے غرضکہ ان تمام
مذاہب میں امر مشترک (جس سے نفس کو التذاذ ہوتا ہے) وہ تخمینی موافقت الفاظ ہے نہ کہ
حقیقی۔ دیکھو باوجودیکہ ہنود نے اپنے اشعار کے اوزان کی بنیاد حرفوں کی تعداد پر رکھی
ہے اور اُنکے یہاں حرکات و سکنات کا لحاظ اوزان میں نہیں کیا جاتا۔ مگر تاہم اُس سے
لذت حاصل ہوتی ہے ہم نے بعض دیہاتیوں کے راگ سنے ہیں جن کو وہ حصول لذت
کے لیے گاتے ہیں وہ ایک ایسا کلام ہے جسکے اجزا میں تخمینی موافقت ہوتی ہے اور ردیف
ہوتی ہے جو کبھی ایک کلمہ اور کبھی زیادہ کلمات سے مرکب ہوتی ہے وہ اُس کلام کو مثل قصائد

کے گاتے اور اُس سے لطف حاصل کرتے ہیں غرضکہ ہر ایک قوم کا اپنی نظم کے متعلق ایک خاص قانون ہی علی ہذالقیاس تمام اقوام دلکش آوازوں اور دلفریب نغمات سے لذت پانے میں متفق ہیں مگر گانے کے طریقہ اور اُسکے قواعد میں وہ باہم اختلاف رکھتی ہیں۔ یونانیوں نے کچھ اوزان مقرر کیٔے ہیں جنکو وہ مقامات کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ان مقامات سے آوازیں اور شعبے نکالکر انہوں نے ایک نہایت ہی مبسوط اور مفصل فن اپنے لیٔے منضبط کیا ہی اہل ہند نے چھ راگ بنالیٔے اور اُن سے راگنیاں نکالی ہیں ہم نے اہل دیہات کو دیکھا ہی جو ان دونوں اصطلاحوں سے بیگانہ ہیں۔ انہوں نے اپنے سلیقہ اور ذوق کے موافق ایک خاص ترکیب اور خاص تال ایجاد کرکے چند اوزان کلیات کے انضباط اور جزئیات کے انحصار کیٔے بغیر مرتب کرلیے ہیں۔ جنسے وہ اپنی محفلوں کو گرماتے اور لذت پاتے ہیں۔

پس جب ہم ان اختلافات کو دیکھتے اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں امر مشترک بجز موافقت تخمینی کے اور کوئی شئے نہیں نکل سکتی عقل کی نظر صرف اُس اجمالی امر پر ہے اور تفصیل سے اسکو کوئی بحث نہیں۔ اور ذوق سلیم کی محبت فقط اُس خالص حلاوت کے ساتھ ہی اور بحر طویل اور مدید سے اُس کو غرض نہیں۔

خداوند جل و علی شانہ نے جب اس مشت خاک (انسان) سے ہمکلام ہونا چاہا تو اُس نے اُسی اجمالی حسن کی رعایت فرمائی۔ نہ ان مصطلحہ قواعد کی جن کو ہر ایک قوم پسند کرتی اور دوسری ناپسند کرتی ہی اور خداوند مالک الملک نے جب چاہا کہ وہ آدمیوں کی روش پر کلام فرمائے تو اُس نے صرف اُسی اصل بسیط کو اپنے کلام میں منضبط فرمایا۔ نہ ان قوانین کو جو کہ زمانہ اور مذاق کے بدل جانے پر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں فی الحقیقت اصطلاحی قوانین کی پابندی عجز اور جہل کی دلیل ہی اور حسن اجمالی کی ایسی پابندی کہ وہ کلام کی ہر حالت اور بیان کے ہر ایک نشیب و فراز میں جلوہ گر

رہے بغیر استعمال قواعد مصطلحہ کے بیشک اعجاز اور بشری حد اختیار سے خارج ہی۔ خداوند تعالیٰ
نے اسی طریقہ کا استعمال فرمایا ہی اُس سے ہم ایک قاعدہ کا استنباط کرتے ہیں اور وہ قاعدہ
یہ ہی کہ خدا تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں آواز کی کشش کا اعتبار کیا ہی نہ کہ بحر طویل و مدید وغیرہ
کا۔ اور فاصلوں میں سانس کا ٹہرنا حرف مدہ پر یا جس پر مدہ نہیں اُسکا اعتبار کیا ہی نہ کہ
فن قوافی کے قواعد کا۔ یہ کلیہ نہایت بسط چاہتا ہی تمکو اُس میں سے تہوڑا بہت
سُن لینا چاہئیے:۔

زخرے میں سانس کی آمد و رفت انسان کے لیے ایک جبلی بات ہی۔ گو سانس
کی درازی اور کوتاہی ایک حد تک آدمی کے اختیار میں ہی لیکن اگر اُسکو اپنی طبیعت
پر چہوڑ دیا جاے تو اُسوقت اُسکا ایک خاص طول ہوگا سانس کے اول بار لینے
میں ایک نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہی اور وہ آہستہ آہستہ زایل ہونی شروع ہوتی
ہی حتی کہ بالکل زایل ہو جاتی ہی اور دوسرے تازہ سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہی
سانس کی یہ درازی مبہم حدود سے محدود اور ایک ایسی منتشر مقدار کے ساتھ معین ہی
کہ اگر دو تین کلموں یا اُس امتداد خاص کی تہائی یا چوتہائی مقدار کی کمی بیشی اُس مقدار
سے باہر نہیں کر دیتی اور اس میں اوتاد اور اسباب کی تعداد میں بہی فرق کی اجازت ہی
اور نیز بعض ارکان کے تقدیم کی بہی گنجایش ہی پس سانس کے اسی امتداد کو خدا تعالیٰ
نے وزن قرار دیا اور اُس کی تین قسمیں کیں طویل اور متوسط اور قصیر طویل کی مثال سورہ
نسا اور متوسط کی مثال سورہ اعراف و انعام۔ اور قصیر کی مثال سورہ شعرا اور دخان
ہیں اور سانس کا اختتام ایسے حرف مدہ پر رکہا گیا ہی جسکا اعتماد کسی حرف پر ہو۔ یہ ایک
وسیع قافیہ ہی جسکا طبیعت ادراک کرتی اور اس کی تکرار سے متلذذ ہوتی ہی اگرچہ وہ
حرف مدہ کہیں الف اور کہیں واو اور کہیں ی ہوتا ہی اور گو وہ حرف اخیر کسی جگہ
ی ہوتا ہی اور کہیں ج یا ق۔ اس قاعدہ کی رو سے یعلمون اور مومنین اور مستقیم

باہم موافق ہیں اور خروج اور مرتج اور تحیہ اور تبار و فواق و عجاب سب باقاعدہ علی ہذا
حرف الف کا آخر کلام میں آنا ہی ایک وسیع قافیہ ہی جسکا احاطہ پوری حلاوت بخشتا ہے
اگرچہ حرف روی مختلف ہو۔ دیکھو حضرت حق تعالیٰ ایک جگہ کریما اور دوسری جگہ غفورا
اور تیسرے مقام پر بصیرا فرماتے ہیں اگر حرف روی کی موافقت کا التزام اس
موقع پر کیا جاے تو گویا خود کو ایک غیر لازمی شے کا پابند بنانا ہی جیسا کہ سورۂ مریم
اور سورۂ فرقان کے ابتدا میں واقع ہوا ہی۔ علی ہذا آیات کا اتحاد ایک حرف پر
مثلاً میم سورہ قتال میں اور نون سورہ رحمٰن میں حلاوت بخشتا ہی۔ علی ہذا ایک مخصوص
جملہ کو کلام کے درمیان میں بار بار لانا ہی لذت پیدا کرتا ہی جیسا کہ سورہ شعرا سورۂ
قمر اور سورہ رحمٰن و مرسلات میں واقع ہی۔ اور کبھی ذہن سامع کی نشاط اور اُس کلام
کے لطافت کی جانب اشارہ کرنے کے لیے سورتوں کے آخری فواصل اول سے
مختلف کیے جاتے ہیں مثلاً ادّا و ھدّا سورہ مریم کے آخر میں۔ اور سلاما و کراما
سورہ فرقان کے آخر میں اور وطین اور ساجدین و ینظرون آخر سورہ صاد میں واقع
ہی حالانکہ ان تمام سورتوں کے شروع دوسری طرح کے فاصلے ہیں۔ اکثر سورتوں
کے اندر اس وزن و قافیہ کی رعایت جسکو ہم بیان کر چکے ہیں مہتم بالشان سمجھے گئے
ہیں۔ اور آیت کے آخر میں اگر کوئی لفظ قافیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہی تو اُسکو قافیہ
بنا دیا جاتا ہی ورنہ کسی ایسے جملہ سے اُسکا اتصال کر دیا جاتا ہی جس میں آلاء اللہ کا ذکر یا
مخاطب کے بیلے تنبیہ ہو۔ مثلاً فرماتے ہیں وھو الحکیم الخبیر۔ وکان اللہ علیما حکیما۔
وکان اللہ بما تعملون خبیرا۔ لعلکم تتقون۔ ان فی ذلک لآیات لاولی الالباب۔
ان فی ذلک لآیات لقوم تتفکرون۔ اور ایسے ہی مقامات پر کہیں کہیں کسیقدر اطناب
سے کام لیا گیا ہی مثلاً واسئل بہ خبیرا۔ اور کسی جگہ تقدیم و تاخیر بھی منقول ہوتی ہی۔
اور کبھی قلب اور زیادتی مثلاً الیاسین و طور سینین بجاے الیاس و طور سیناء کے

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہی کہ کلام کی روانی اور سہولت جو بوجہ ضرب المثل ہونے یا آیات مکرر مذکور ہونے سے حاصل ہوئی ہی کلام طویل کو مختصر کلام کے ہموزن بنا دیتی ہی اور بعض اوقات پہلے فقروں کو بعد کے فقروں سے کم لاتے ہیں تاکہ کلام اسکے سبب سے شیریں ہو جائے مثلاً خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلة ذرعہا سبعون ذراعا فاسلکوہ۔ ایسے کلام میں گویا متکلم دلی مدعا یہ ہوتا ہی کہ پہلے اور دوسرے فقرہ کا مجموعہ تنہا تیسرے فقرہ کے برابر اور ہم پلہ ہی ایسے ہی کبھی آیت کے تین رکن ہوتے ہیں مثلاً یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ۔ فاما الذین اسودت وجوہہم الآیہ واما الذین ابیضت وجوہہم الآیہ۔ ایسی صورت میں رکن اول دوسرے رکن کیساتھہ جمع کرکے ایک طویل آیت شمار کرتے ہیں۔ اور کبھی ایک آیت میں دو فاصلہ لاتے ہیں۔ چنانچہ اشعار میں بھی کبھی ایسا ہوتا ہی۔ بیت

کالزہر فی ترف والبدر فی شرف
والبحر فی کرم والدہر فی ہمم

اور کبھی ایک آیت کو دوسری آیتوں سے زیادہ لمبی لاتے ہیں اور اس میں نکتہ یہ ہی کہ جسوقت اس حسن کلام کا جو کہ وزن اور قافیہ سے پیدا ہوا ہی اُس حسن کلام سے موازنہ کریں جو ادا کی بیساختگی اور سادگی اور اُسکی طبعی ترکیب اور عدم تغیر سے حاصل ہوا ہی تو فطرت سلیمہ حسن معنوی کو ترجیح دیگی تو ایسے مقامات میں یہ سمجھہ لینا چاہئے کہ ایک قسم کے حسن کے انتظار کو ترک کرکے دوسری قسم کے انتظار کا پورا حق ادا کیا گیا ہی ہم نے شروع بحث میں یہ بات کہ اکثر سورتوں میں سنت اللہ جاری ہی اسواسطے کہی تھی کہ بعض سورتوں میں وزن اور قافیہ مذکورین کی رعایت نہیں معلوم ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ کلام اللہ کا ایک حصہ خطباء کے خطبوں اور عقلای نکتہ رس کے مراسلات کی طرح پر واقع ہی۔ عورتوں کا قصہ جسکی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ضرور سنا ہوگا اور اُسکے قوافی بھی معلوم ہونگے۔ اور قران شریف بعض مواقع میں

اہل عرب کے مراسلات کی طرح بلاکسی لہر کی رعایت کے واقع ہی جیساکہ بعض لوگوں کی گفتگو
آپس میں ہوتی ہی لیکن یہ ضروری کہ ہر ایک کلام ایسی چیز پر ختم کیا گیا ہی جو ختم کرنے کے
قابل تھا - اسجگہ یہ نکتہ ہی کہ لغت عرب میں رہاؤ ایسے موقع پر ہوتا ہی جہاں سانس
ختم ہو جاے اور کلام میں نشاط باقی نہ رہی اور وقف کے لیے کلام کا حرف مدہ پر خاتمہ
ہونا مستحسن ہی یہی وجہ ہی جس سے آیات کی موجودہ صورت بنی ہی - یہ وہ رموز ہیں جو
اس فقیر کو القا ہوئے ہیں واللہ اعلم -

اگر کوئی پوچھے کہ پنجگانہ علوم کے مطالب کو قران شریف میں بار بار کیوں ذکر کیا گیا
ہی - ایک ہی جگہ پر اکتفا کیوں نہیں کی گئی اُسکا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ ہم مخاطب
کو جو کچھہ سمجھانا چاہتے ہیں اُسکے دو مرتبے ہیں - ایک یہ کہ ہمارا مقصود یہ ہے
کہ فقط اسکو ایک نامعلوم چیز کی خبر دیں - اس صورت خاص میں مخاطب کو یہ حکم
پہلے سے معلوم نہو گا اور اسوقت اوسکا ذہن اُسکے ادراک سے خالی ہو گا اسلیے
ہمارے کلام سنتے ہی اُسکو وہ مجہول شے معلوم ہو جائیگی اور وہ انجان واقف
ہو جائیگا - دوسرا مرتبہ یہ ہی کہ ہمکو کسی علم کی تصویر مخاطب کے دل میں اسطرح ذہن
نشین کرنا ہی کہ اُس سے مخاطب کو بحد لذت حاصل ہو اور اُسکے قلبی اور ادراکی قوی
اُس علم میں بالکل فنا و محو ہو جائیں اور اس علم کا رنگ اُسکی تمام قوتوں پر غالب
ہو جائے - یہ ایسا ہی جیساکہ ایک شعر جسکے معنی ہمکو معلوم نہیں ہم بار بار پڑھتے اور
ہر بار لذت پاتے ہیں اور اس لذت کی خاطر اُسکو مکرر سہ کرر پڑہنا ہمکو بھلا معلوم ہوتا ہی
قران شریف میں بھی علوم پنجگانہ کی تعلیم میں دونوں مرتبوں کا لحاظ فرمایا گیا ہی - ناواقفوں
کے لیے تعلیم مجہول کا طریقہ اختیار فرمایا اور علمار کے نفوس کو اُن علوم کی تکرار سے
رنگنا چاہا ہی - مگر اکثر مباحث احکام میں تکرار واقع نہیں ہوا اسلیے کہ وہاں دوسری
قسم کا فائدہ مطلوب نہ تھا یہی وجہ ہی کہ شریعت میں قران کو بار بار تلاوت کا حکم دیا گیا

ہی۔ اور صرف سمجھ لینے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ فرق صرف اسقدر رکھا گیا ہی کہ اکثر حالتوں میں
ان مسائل کا تکرار، تازہ عبارت اور جدید اسلوب میں اختیار فرمایا کہ وہ نفس پر زیادہ
مؤثر اور ذہن کے لیے زیادہ لذت بخش ہو۔ اگر ایک ہی لفظ کا تکرار کیا جاتا تو یہ تکرار
مثل وظیفہ کے ہو جاتی۔ لیکن اختلاف تعبیرات اور تغیر اسلوب بیان کی صورت میں
ذہن کو اُس میں پورا خوض کرنیکا شوق ہوتا۔ اور ذہن مخاطب میں وہ مضمون بالکل
اتر جاتا ہی۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ان علوم پنجگانہ کو قرآن مجید میں کیوں منتشر کیا گیا اور کسی خاص
ترتیب کی رعایت نہیں فرمائی۔ مثلاً ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ اول آلاء الٰہ کو ذکر
کرکے اُسکا بیان پورا فرماتے بعد ازاں ایام اللہ کی بحث پوری ذکر کرتے اور اسکے
علم مخاصمہ کی تفصیل ہوتی۔ اسکا جواب یہ ہی اگرچہ خدا تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات
کو شامل ہی لیکن اس قسم کے امور کا دارومدار حکمت اور مصلحت پر ہی اور وہ حکمت اور
مصلحت یہ ہی کہ قرآن مجید میں مبعوث الیہم یعنی عربوں کی زبان اور اُنکے اسلوب
بیان کیساتھ موافقت کی گئی ہی اور آیت لقالوا اعجمی وعربی میں اسطرف اشارہ کیا گیا ہی۔
اہل عرب کے پاس قرآن شریف کے نازل ہونے تک کوئی کتاب نہ آسمانی
نہ انسان کی مرتب کی ہوئی موجود تھی اور جو ترتیب ابواب و فصول مصنفین نے اب
اختراع کی ہی عرب اس سے ناواقف تھے اگر اس امر کا یقین نہو تو مخضرمین کے
قصائد کو بغور دیکھ لو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات اور حضرت عمر رضی اللہ
عنہ کے مکتوبات کو مطالعہ کرو تاکہ یہ مسئلہ اُنکے ذریعے سے تم پر منکشف ہو جائے۔
پس اگر قرآن شریف کی زبان اُنکے اسلوب کے خلاف ہوتی تو وہ متحیر رہجاتے۔
اور ایسے کلام کے سننے سے جس سے اُنکے کان آشنا نہ تھے اُنکی عقلیں پریشان ہو جاتیں
علاوہ ازیں مقصود باری فقط یہ نہیں کہ علم ہو جائے بلکہ یہ مقصود ہی کہ علم استحضار اور پختگی

کیساتھ ہو اور یہ مقصود غیر مرتب سے زیادہ قوت اور بکمال کیساتھ حاصل ہوتا ہی۔
اگر کوئی سوال کرے کہ شعر کا وزن و قافیہ جو زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہی اسکو کیوں اختیار نہیں کیا گیا جواب یہ ہی کہ لذت کی زیادتی ہر قوم اور ہر ذہن و مذاق کے اعتبار سے مختلف ہی۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جاوے (کہ شعر کا وزن لذیذ تر ہی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے باوجودیکہ آپ اُمّی تھے ایک عدیم المثال وزن وقافیہ کی ایجاد آپ کی نبوت کا کھلا ہوا نشان ہی کیونکہ اگر شعر کے وزن اور قافیہ میں قرآن مجید نازل کیا جاتا تو کفار یہی خیال کرلے کہ یہ تو ایسے ہی اشعار ہیں جو کہ عرب میں مارے مارے پھرتے ہیں اور اُنکو کسی شمار و قطار میں نہ رکھتے نظم و نثر کے بلغاء بھی اگر اپنے ہمعصر فضلا میں اپنے آپکو نمایاں اور ممتاز کسی ظاہر دلیل کیساتھ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی کوئی تازہ زمین یا جدید اسلوب اختراع کرلے اور کہتے ہیں کہ کوئی ہی کہ ایسی غزل اس زمین میں یا کوئی مراسلہ اس اسلوب میں لکھہ سکے۔ اگر یہ لوگ اُسی پرانی طرز انشاء میں طبع آزمائی کریں تو اُس سے اُنکی اعلیٰ کمال کا ادراک محققین کے سوا عام طور پر نہیں ہو سکتا۔
اگر پوچھا جاے کہ قران مجید کا اعجاز کس وجہ کے اعتبار سے ہی اسکا جواب یہ ہی کہ ہمارے نزدیک ثابت ہی کہ اعجاز قران کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے بعض بیان کئے جاتے ہیں۔ اول اسلوب بدیع۔ کیونکہ عربوں کے پاس بلاغت کے چند میدان تھے جنمیں وہ اپنی فصاحت کے گھوڑوں کو سرپٹ اُڑاتے اور ہمعصروں سے بڑہنے کی سعی کرتے تھے۔ وہ میدان قصائد اور خطبے اور رسائل اور محاورات ہیں۔ عرب لوگ ان چار اسلوب کے علاوہ اور کچھہ نہ جانتے تھے اور نہ کسی پانچویں اسلوب کے اختراع پر قادر تھے۔ بدیں وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر حالانکہ آپ اُمّی تھے ایک خاص اور ممتاز اسلوب کی ایجا

جو کہ ان کی مروجہ اسالیب کے علاوہ ہے بیشک اعجاز ہوگا۔ دوم گذشتہ تواریخ اور امم سابقہ کے احکام کی بغیر پڑھے لکھے ایسی تفصیل بیان کرنا جو کتب سابقہ کے مصدق ہو۔ سوم پیشگوئیاں ان پیشین گوئیوں میں سے جو واقعہ ظہور پذیر ہوگا اعجاز تازہ ہوگا۔ چہارم بلاغت کا وہ مرتبہ جو کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ ہم لوگ چونکہ عرب اول کے بعد میں پیدا ہوئے ہیں اسلیے مرتبہ بلاغت کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتے لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ شیریں کلمات اور چست بندشوں کا استعمال حسن لطافت اور سادگی اور بے تکلفی کیساتھ جیسا کہ ہم قرآن شریف میں پاتے ہیں اسقدر متقدمین اور متاخرین کے کسی قصیدہ میں نہیں پاتے اور یہ ایک وجدانی بات ہے جسکو ماہر شعرا ہی جان سکتے ہیں۔ عوام اس میں کچھ حصہ نہیں لے سکتے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ علم تذکیر اور مخاصمہ جہاں کہیں معانی کو الفاظ کا دوسرا لباس سورۃ کے اسلوب خاص کے موافق پہناتے ہیں اس میں ایک عجیب کیفیت اور ندرت ہوتی ہے کہ ہماری عقول کا دست حرص اسکے ادراک کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔

اگر کوئی ہمارے بیان بالا کو نہ سمجھا ہو تو اسکو چاہیے کہ انبیاء کے ان قصوں میں جو کہ سورۂ اعراف وہود وشعراء میں واقع ہیں اول تامل کرے اور پھر انہیں قصوں کو سورۂ صافات میں اور بعد ازاں ذاریات میں دیکھے تاکہ باہمی فرق اسلوب منکشف ہو جائے۔ علی ہذا گناہگاروں کے عذاب اور فرمانبرداروں کے ثواب کو ہر موقع پر ایک خاص رنگ دیا جاتا ہے اور دوزخیوں کے جھگڑوں کا جلوہ ہر جگہ نرالی صورت میں دکھایا جاتا ہے تفصیل اسکی بہت طویل ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال اور استعارات وکنایات کی رعایت جنکی تفصیل علم معانی وبیان میں ہے اور اسکے ساتھ مخاطبین کی حالت کی رعایت جو کہ محض ان پڑھ اور ان فنون سے ناآشنا تھے جسقدر قرآن مجید میں موجود ہے اس سے بہتر مافوق متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ مشہور مخاطبات جنسے سب آدمی واقف ہیں چند عام فہم اور خواص پسند نکات ودیعت

رکھی جاویں یہ بات اجتماع نقیضین کی نظیر ہے ؎

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم ؎
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

منجملہ وجوہ اعجاز کے ایک وجہ ایسی ہے جسکو سوا ان لوگوں کے جو اسرار شریعت میں تدبر اور تفکر کرتے ہیں کوئی نہیں سمجھہ سکتا - اور وہ یہ ہے کہ یہ علوم پنجگانہ ہدایت انسانی کی روسے خود قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونیکی دلیل ہیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی طبیب حاذق کسی ایسی طب کی کتاب کو دیکھے جسمیں امراض کے اسباب و علامات اور ادویہ کے خواص کی تحقیقات نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی ہو تو اس بات میں کسی قسم کا شک نہیں ہوسکتا کہ اُسکا مؤلف فن طب میں نہایت کامل ہے - ایسے ہی اسرار شرائع کا عالم خوب واقف ہے کہ تہذیب نفس کے لیے کیا کیا چیزیں انسان کو تعلیم کی جاسکتی ہیں - اسکے بعد اگر علوم پنجگانہ میں وہ غور کریگا تو اُسکو بغیر کسی قسم کے شک کے معلوم ہوجائیگا کہ یہ علوم اپنے معانی کے اعتبار سے اُس اعلیٰ مرتبہ پر واقع ہوئے ہیں جنپر اضافہ قطعاً محال ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب ؎
گر دلیلت باید ازوے رو متاب

باب چہارم

فنون تفسیر اور صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے اختلاف فی التفسیر کے حل میں -

جاننا چاہیئے کہ مفسرین کی جماعتیں مختلف ہیں - ایک جماعت صرف اُن آثار کی روایت پر کمربستہ ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی ہوں خواہ احادیث مرفوعہ ہوں

یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت یہ طریقہ محدثین کا ہے اور ایک گروہ اسماء
وصفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے اُن میں سے جس آیت کو مذہب تنزیہ حق جل وعلی
شانہ کے موافق نہیں خیال کرتے اُسکے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ یہی گروہ مخالفین
کے ایسے اعتراضات کو جو کہ بعض آیات پر وہ کرتے ہیں رد کرتا ہے یہ شان متکلمین کی
ہے اور ایک قوم مسائل فقہیہ کا استنباط کرتا اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتا اور
مخالفت دلیل کا جواب دیتا ہے۔ یہ فقہا اور اہل اصول کی روش ہے اور ایک
جماعت قرآن مجید کے لغات کی تشریح کرتی۔ اور ہر محاورہ کے باب میں کلام عرب
کی نہایت کثرت کیساتھہ سندیں پیش کرتی ہے یہ نحوین اور اہل لغت کی وضع ہے۔ اور ایک
گروہ علم معانی اور علم بیان کے نکات کو تمام تر بیان کرتا ہے اور کلام اللہ کی داد ان
علوم کے اعتبار سے دیتا ہے یہ ادیبوں کا آئین ہے۔ اور بعض لوگ قرآن مجید کی
اُن قراٰتوں کو جو آئمہ سے مسلسل منقول چلی آرہی ہیں نہایت الضلاح و تفصیل کے
ساتھہ بیان کرتے ہیں یہ قرار کی حالت ہے اور کچھہ آدمی علم سلوک یا حقایق کے نکات کو
ادنی مناسبت سے بیان کرتے ہیں یہ صوفیوں کی روش ہے الحاصل تفسیر کا میدان
نہایت وسیع ہے اور اُس میں چلنے والے ہر مسلمان کا قصد اُسکے معانی سمجھنے کا ہے
اور ہر ایک نے ایک خاص فن میں غور و خوض کیا اور اپنی قوت فصاحت اور
سخن فہمی کے مطابق بیان کیا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کے مذہب کو منظور
نظر رکھا ہے۔ یہ وجہ ہے جس سے فن تفسیر نے ایسی وسعت بے پایان حاصل کی جسکا
ٹہیک ٹہیک اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نیز اسی وجہ سے تفسیریں اس کثرت
سے کتابیں لکھی گئیں جنکا شمار ممکن نہیں۔ مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ان تمام علوم
کے یکجا کرنیکا بھی ہوا ہے۔ اور کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کتابیں لکھی اور اُنکے
طول و اختصار میں بھی فرق ہے جسنے علم کے دامن کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ اس فقیر کو

الحمدللہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہی اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک معقول مقدار اُسکے فروع کی معلوم ہی اور اُس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا ہی انکے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیض الٰہی کے نامتناہی دریا سے القا ہوئے ہیں۔ اگر سچ پوچھتا ہے تو میں قرآن مجید کا بلا واسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ روح پر فتوح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اویسی ہوں اسیطرح کعبہ حسنی سے بوسیلہ مستفید اور صلوٰۃ عظمیٰ اسے اثر پذیر ہوں **شعر**

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃ لسانا

لعا استوفیت واجب حمدہ

ضروری معلوم ہوتا ہی کہ اُن علوم میں سے دو دو تین تین حرف رسالہ ہٰذا میں لکھے جاویں۔

فصل

اُن آثار کے بیان میں جو کتب تفسیر اہل حدیث میں مروی ہیں اور اُس کے متعلقات کتب تفسیر میں مذکور آثار میں سے بعض آثار اسباب نزول کے بیان کے متعلق ہوتے ہیں۔ سبب نزول کی دو قسم ہیں ایک قسم یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہو جس میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نفاق کی جانچ ہو گئی۔ چنانچہ احد و احزاب میں ایسا ہوا اور خدا تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقین کی مذمت نازل فرمائی تاکہ اُن دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جاوے اور اس مدح و ذم میں اُس خاص حادثہ کی جانب تعریضات بکثرت مذکور ہوئی ہیں۔ اسلیے ضروری ہی کہ پہلے اس واقعہ کی مختصر تاریخ لکھدی جاوے تاکہ اُن آیات کا سیاق پڑھنے والیکو

منکشف ہوجائے دوسری قسم یہ ہی کہ آیت کے معنی اُس حادثہ کے معلوم کیے بغیر ہے
جو کہ سبب نزول ہوا ہی اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہیں اور اُس میں حکم عموم
لفظ کا معتبر ہی نہ خصوص سبب نزول کا مگر متقدمین مفسرین نے یہ ارادہ کر کے
کہ اس آیت کے مناسب احادیث کو جمع کردیا جائے یا کتاب کے مفہوم و حکم عام کا
کوئی مصداق ذکر کیا جائے اس قصہ (سبب نزول) کو ذکر کیا ہی اس قسم کے قصوں کا
ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں ہی اس فقیر کے نزدیک یہ محقق ہوا ہی کہ حضرات صحابہ اور
تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں حادثہ میں نازل
ہوئی۔ مگر اُنکا مقصود صرف آیت کے افراد و مصداق کی تصویر اور بعض ایسے مخصوص
حادثات کا ذکر مقصود ہوتا ہی جنکو آیت اپنے عموم حکم کی وجہ سے شامل ہی اس سے عام
ہی کہ وہ واقعہ جسکو اُنہوں نے سبب نزول کہا ہی نزول آیت سے مقدم ہو یا مؤخر
اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی۔ آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو واللہ اعلم۔
ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی اس سبب نزول میں کچھ دخل ہے
اور اسباب نزول میں متعدد قصوں کے ذکر کرنیکی گنجایش ہی۔ جس شخص کو یہ نکتہ محفوظ
ہو تو ظاہر ہے کہ مختلف اسباب نزول کا حل ادنی تامل اور تھوڑی توجہ سے کرسکتا ہے
اور بعض اُن میں سے یہ ہی کہ کسی ایسے قصے کی تفصیل کیجائے جس کی طرف
نظم آیت میں کوئی اشارہ موجود ہی اس صورت میں مفسرین رحمہم اللہ کا قصد یہ ہوتا
ہے کہ اخبار بنی اسرائیل یا سیر و تواریخ سے اُس قصہ کو مع اُس کی جملہ خصوصیات
کے ذکر کریں۔ اس موقع پر ایک اور بھی تفصیل ہی وہ یہ ہی کہ اگر کوئی قصہ ایسا ہو جسکی
طرف آیت کے ظاہر الفاظ میں ایسا اشارہ ہے کہ زبان کا جاننے والا اُس پر اگر رک جاتا ہے
اور اُسکی تلاش کرنے لگتا ہی تو ایسے واقعات کا بیان کرنا مفسر کا فرض ہی اور جو
قصہ اس قسم سے خارج ہی مثلاً بنی اسرائیل کی گائی کا حال کہ نر تھی یا مادہ یا اصحاب کہف کے کتے

کی رنگینیں کر وہ چپلا تہایا صرح یہ امور بیفایدہ تکلفات ہیں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ
ایسی بحثوں کو مکروہ جانتے اور تضییع اوقات خیال فرماتے تھے۔ یہانپر دو نکتہ یادرکہنے کے
قابل ہیں اول یہ کہ واقعات کی نقل ہیں قاعدہ یہ ہی کہ انکو جیسا سنا ہی بغیر عقلی تصرف کے
بیان کیا جاے۔ مگر متقدمین مفسرین کی ایک جماعت اُس تعریض کو اپنا پیشوا بناتی
اور اُسکا کوئی مناسب محمل فرض کرکے برنگ احتمال اُس کی تقریر کرتی ہی جس کی
وجہ سے متاخرین کو اشتباہ ہو جاتا ہی اسلیے کہ اُسوقت تقریر کے اسلوب زمانہ حال
کے موافق منقح نہیں ہوئی تہی۔ اکثر ایسا ہونا ممکن ہی کہ تقریر علی سبیل الاحتمال تقریر
بالجزم کیساتہہ مشتبہ ہوجائے یا ایک کو دوسری جگہ اختیار کر لیا جاے اور یہ مسئلہ انتہا درجہ کی
ہی عقل لگانے کی اس ہیں گنجایش اور قیل وقال کا وسیع میدان ہی اگر کوئی اس نکتہ
کو یاد رکھے تو وہ بہت مقامات پر مفسرین کے اختلافات کا فیصلہ کر سکتا ہی۔ اور
نیز بیشتر مناظرات صحابہ کے متعلق معلوم کر سکتا ہی کہ وہ انکا مذہب نہیں ہے
اک علمی تفتیش ہی جسکو بعض مجتہدین دوسرے مجتہدین سے بیان کرتے ہیں حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو آیت فامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین میں
فقیر اسی پر حمل کرتا ہی جو یہ ہی لا احد فی کتاب اللہ الا المسح لکنہم ابوا الا الغسل
(مجکو تو کلام اللہ میں پیروں کا مسح ہی ملتا ہی مگر لوگ اُس سے دہونا ہی سمجھتے ہیں)
قول ابن عباس کا مطلب فقیر کے نزدیک یہ ہی کہ یہانپر وہ مسح کی فرضیت کی طرف
نہیں گئے کہ وہ آیت کو مسح کی رکنیت پر حمل کرنیکا یقین رکہتے ہوں۔ حضرت عباس
کا مذہب بہی وضو میں پیر دہونیکا ہی۔ لیکن یہاں وہ ایک اشکال کو بیان اور ایک
احتمال کی تقریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ علماء زمانہ اس تعارض کی تطبیق میں کونسی راہ
اختیار کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ سلف کے روزمرّہ سے واقفیت نہیں رکہتے انہوں
نے اس کو ابن عباس کا قول سمجہکر اُنکا مذہب قرار دے لیا حاشا وکلّا۔

دوسرا نکتہ یہ ہی کہ اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہی جو ہمارے دین میں داخل
ہوگئی ہی حالانکہ قاعدہ یہ ہی کہ اُن کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اس قاعدہ سے دو باتیں معلوم
ہوئیں اول یہ کہ جب تک تعریض کلام اللہ کا بیان حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دستیاب
ہو سکے بنی اسرائیل سے نقل نہ کرنا چاہئے ۔ ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب
کا محمل جبکہ حدیث نبوی میں انشاء اللہ کے ترک کرنے اور اُسپر مواخذہ ہونیکا قصہ
پایا جاتا ہے تو کیا ضرورت ہی جو صخرہ کا قصہ ذکر کیا جاوے دوسرے یہ قاعدہ کلیہ
ہے کہ ضروری امر اپنی حد ضرورت تک ہی محدود رہتا ہی اسکے اقتضاے تعریض
کی مقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کرنا چاہئے تاکہ اُسکی تصدیق ہم قرانی شہادت
سے کر سکیں اور اس سے زیادہ بیان سے زبان کو روکنا چاہئے یہاں پر ایک نہایت
لطیف نکتہ بھی ہی اسکو ضرور سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں کسی مقام
پر ایک قصہ کو مجملاً بیان کیا جاتا ہی اور کسی جگہ مفصلاً جیسا کہ اول یہ فرمایا قال انی
اعلم ما لا تعلمون ۔ اور پھر یہ الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما
تبدون وما کنتم تکتمون ۔ یہ بیان در اصل وہی سابق بیان ایک قسم کی تفصیل کیساتھ ہی
اسلیے اس تفصیل سے اجمال سابق کی تفسیر کر سکتے ہیں اور اس اجمال سے تفصیل
کا پتہ لگا سکتے ہیں ۔ مثلاً سورہ مریم میں عیسی علیہ السلام کا قصہ مجملاً ذکر فرمایا گیا (ولنجعلہ
آیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا) اور آل عمران میں مفصل طور پر (ورسولا الی بنی اسرائیل
انی قد جئتکم الایہ) اس مقولہ میں تفصیلی بشارت ہی ۔ اور پہلا بیان بشارت اجمالی ۔ اسلیے
بندہ ضعیف نے اس آیت کے یہ معنی لیے ہیں کہ (رسولا الی بنی اسرائیل مخبرا بانی
قد جئتکم) اور یہ تمام مضمون بشارت کے ذیل میں داخل ہی کسی محذوف کے متعلق نہیں
جیسے علامہ سیوطی نے اسطرف عبارت ذیل میں اشارہ کیا ہی فلما بعثہ اللہ قال انی
رسول اللہ الیکم بانی قد جئتکم ۔ واللہ اعلم ۔

اور اس میں ایک شرح غریب ہی جسکی بنا ریا تو لغت عرب کے تتبع پر ہی اور یا آیت کے سیاق وسباق فہم اور لفظ کی اُس مناسبت کے علم پر ہی جو کہ اُسکو اپنے جملہ کے اجزا کیساتھ حاصل ہی اسلیے اس مقام پر بھی عقل کا دخل اور اختلاف کی گنجایش ہی کیونکہ ایک کلمہ زبان عرب میں متفرق معانی کے لیئے آتا ہے اور استعمالات عرب کے تتبع اور سابق ولاحق کی مناسبت کے فہم میں عقول مختلف ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہی جس سے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال باہم مختلف ہوگئے ہیں۔ ایک منصف مفسر کو شرح غریب کے دو پہلوؤں پر غور کرنا چاہیئے۔ ایک استعمال عرب پر کہ اُسکے اعتبار سے کونسی صورت اقوی ہی اور دوسرے لاحق وسابق کی مناسبت پر کہ کونسی جہت راجح ہی فقیر نے اصول موضوعہ تفسیر کے انضباط اور مقامات استعمال کی چھان بین اور احادیث کی پوری دیکھبھال کے بعد شرح غریب کے متعلق ایسے تازہ استنباط کیے ہیں جنکا لطف بجز بے انصاف اور نافہم کے کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا مثلاً۔ کُتب علیکم القصاص فی القتلی۔ کو لکا فو رقتلیٰ[1] کے معنی اور ایک دوسرے کے حکم میں

---

[1] جمہور آئمہ اور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں قصاص بمعنی قود اور قتلی بمعنی قاتلین ومقتولین اور محدثین ہیں۔ قاتلونکو باعتبار مآل کے مقتولین میں شامل کرلیا گیا ہی۔ اس صورت میں الانثی بالانثی کی توجیہ خالی از دقت نہتی مگر شاہ صاحب نے جو توجیہ اس آیت کی فرمائی وہ نہایت لطیف اور بالکل نئی ہی۔ انکے نزدیک قصاص کے معنی برابری اور مماثلت قود دیت اور جراحات میں۔ اور قتلی کے معنی محض مقتولین کے ہیں قاتل انکے ساتھ شریک نہیں۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم پر فرض کیا گیا کہ مقتولوں کے باب میں مماثلت اور برابری کا اعتبار کرو اسطرح پر کہ مقتولین گروہوں میں تقسیم کیے جاویں باعتبار آزادی اور غلامی اور مذکر اور مؤنث ہونے کے اور ہر گروہ کا ہر ایک فرد دوسرے فرد کے برابر ہو اور ان میں اوصاف خاصہ مثلاً بڑائی چھٹائی امیری غریبی شرافت اور رذالت کا اعتبار نہوگا پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہر حُر برابر ہی دوسرے حُر کے اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ عبد حُر کے برابر نہیں ہی اور قود میں جمہور کا یہی مذہب ہی اور دیات وجراحات میں متفق علیہ اور ہر انثی برابر ہی دوسرے انثی کے۔ اسکا مفہوم یہ نکلا کہ عورت مرد کی برابر نہیں اور دیات میں تمام علما کا اور جراحات میں ایک

شرکت پر حمل کیا جاوے تاکہ الاثنی بالاثنی کے معنی سمجھیں نسخ کا قائل اور ایسی توجیہات کا مرتکب نہ ہونا پڑے جو ادنی تامل سے ساقط ہو جاتے ہوں اور مثلاً لیسئلونک عن الاہلہ کو یسئلونک عن الاشہر کے معنی پر حمل کیا جاوے۔ یعنی سوال اشہر حج کی نسبت کیا گیا تھا جسکا جواب ہی مواقیت للناس والحج دیا گیا۔ اور مثلاً ہو الذی اخرج الذین کفروا من اہل الکتاب من دیارہم لاول الحشر کے معنی لاول جمع الجنود اسلیے کیے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہی وابعث فی المدائن حاشرین اور وحشر لسلیمان جنودہ یہ معنی قصہ بنی نضیر کے ساتھ دیکھنے سے زیادہ چسپاں معلوم ہوتے ہیں۔ اور بیان احسان میں اقوی۔

بعض اُن ہیں سے بیان ناسخ و منسوخ ہی۔ اس مقام پر دو نکتے یاد کرنیکے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم نسخ کا استعمال اصولیوں کے اصطلاح کے علاوہ دوسرے ایسے معنی پر فرماتے تہے جو کہ لغوی معنی (یعنی ازالہ) کے قریب تر ہی۔ بہ نوجہ اُنکے نزدیک نسخ کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ بعد کی آیت سے عام ہی کہ وہ انتہاے عمل ہو۔ یا معنی متبادر کا غیر متبادر کی جانب کلام کا انصراف۔ یا کسی قید کے زائد ہونیکا بیان ہو۔ یا عام کی تخصیص یا اس امر کا اظہار ہو کہ نصوص اور اس میں جو کہ اُسپر ظاہراً قیاس کر لیا گیا ہی بہت فرق ہی وغیرہ وغیرہ یہ ایک وسیع بحث ہی جس میں عقل کے لیے میدان اور اختلاف کو پوری گنجایش ہی۔ اسیلیے ان حضرات نے آیات منسوخہ کی تعداد پانچسو تک بڑہا دی ہی۔ دوسرا یہ کہ اصطلاحی نسخ کے بیان میں اصل یہ ہی کہ نزول آیات کا زمانہ معلوم ہو مگر کبھی سلف صالحین کے اجماع یا جمہور کے اتفاق کو علامت نسخ قائم کرکے اُس کے قائل ہو جاتے ہیں۔ بہت فقہا اس بات کے مرتکب ہوئے ہیں حالانکہ ممکن ہی کہ مصداق آیت مصداق اجماع کے مخالف ہو۔ الحاصل وہ آثار جو نسخ سے بنے ہیں بہت مشتبہ ہیں

اور اُن میں معاملہ کی تہ کو پہنچنا سخت دشوار ہی - اور محدثین کے پاس ان اقسام کے علاوہ اور چیزیں بھی ہیں جنکو وہ بیان کرتے ہیں مثلاً صحابہ رضی اللہ عنہم کا مناظرہ کسی مسئلہ میں اور اُس میں ایک خاص آیت کا استشہاد - یا اُنکی تمثیل کسی آیت کے ذریعے یا تلاوت فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استشہاد کے طور پر اور کسی ایسی حدیث کی روایت جو آیت کے اصل معنی میں موافق ہو - یا تلفظ کا وہ طریقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہو -

فصل دوم

اسباب کے باقی لطائف کے بیان میں

منجملہ لطائف کے ایک مسائل کا استنباط ہی - استنباط مسائل کا باب نہایت درجہ وسیع ہی اور آیات کے فحوی اور ایما اور اقتضات کے علم میں عقل کے لیے میدان وسیع اور اختلاف کی پوری گنجایش حاصل ہی ان استنباطات کا حصر دس اقسام میں اور اُنکی ترتیب اس فقیر کے قلب پر القا کی گئی ہی جو کہ بہت سے احکام مستنبطہ کی جانچ پرتال کے لیے نہایت سچا کانٹا ہی اور منجملہ اُنکے ایک توجیہ ہی اور توجیہ ایک ایسا فن ہی جس میں بکثرت شاخیں ہیں اور جسکو شارحین متون کی شرح میں استعمال کرتے ہیں اور اُس میں اُنکی ذکاوت اور جودت ذہن کا امتحان ہو جاتا ہی - صحابہ نے حالانکہ اُنکے زمانہ میں قوانین توجیہ کی تنقیح نہ ہونے پائی تھی قرآن مجید کی توجیہ بکثرت فرمائی ہی - توجیہ کی حقیقت صرف اسقدر ہی کہ اگر مصنف کے کلام میں شارح کو کوئی ایسی دشواری نظر آئے تو وہ اسپر رُک جائے اُس صعوبت کو حل کر دے - اور چونکہ کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن یکساں نہیں ہوتے اسلیے توجیہ کے

مراتب بھی یکساں نہیں ہیں مبتدیوں کے لیے توجیہہ اور ہی اور منتہیوں کے لیے اور بسا اوقات
کوئی صعوبت منتہی کی سمجھ میں ایسی آتی ہی کہ وہ اُسکے حل کا محتاج ہوتا ہی اور مبتدی
اُس سے غافل ہوتا ہی بلکہ وہ اُس کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتی - اور میدان کلام مبتدی
پر دشوار ہوتا ہی نہ کہ منتہی پر - مگر چونکہ شارح کا مقصود اذہان کے تمام انواع کا احاطہ
ہوتا ہی اسلیئے عام پڑھنے والوں کے حال کو اختیار کرتا اور اُنکی سمجھ کے موافق
کلام کرتا ہے اسلیے آیات مخاصمہ میں عمدہ توجیہہ اُن فرقوں کے مذاہب کا بیان
اور وجہ الزام کی تنقیح ہی - اور آیات احکام میں صورت مسئلہ کی تصویر کھینچنا - اور قیود
کے فوائد احتراز وغیرہ کو بیان کرنا ہی - اور ایات تذکیر بالاء اللہ میں نعمات الٰہیہ کی تصویر
اور اُنکے خاص خاص مواضع کا بیان ہی - اور آیات تذکیر بایام اللہ میں قصوں کی
باہمی ترتیب اور اُس تعریض کی توضیح کرنا جو کہ قصہ میں مذکور ہوتی ہی اور موت اور ما بعد
موت کی تذکیر میں اُسوقت کی تصویر اور اُسوقت کے حالات کا بیان ہی فنون توجیہہ
میں یہ بھی داخل ہی کہ جو امر نامانوس ہونیکی وجہ سے بعید الفہم ہی اُسکو قریب الفہم کیا جائے
اور نیز دو دلیلوں یا دو تعریضوں یا معقول و منقول کے درمیان سے تعارض اٹھایا
جائے - اور دو مشتبہ چیزوں میں فرق اور دو مختلف باتوں میں تطبیق دیجائے - اور
آیت میں جس وعدہ کی جانب اشارہ ہی اُس کی صداقت کا اظہار کیا جائے اور جو
امر قرآن شریف میں ہوا ہی اُسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت کا
بیان ہو - الحاصل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں توجیہہ کا حصہ بہت ہی - اور ایسے
مقام صعب کا حق ادا نہیں ہوسکتا جبتک کہ اول اُسکی دشواری کی وجہ کو تفصیلاً
نہ بیان کیا جاوے - اور اسکے بعد اُس دشواری کے حل کو مفصل لکھا جائے - اور
پھر اُن اقوال کی باہمی جانچ کیجاوے اور متشابہات کی تاویل - صفات باریتعالیٰ کی
حقیقت کے بیان کرنے میں متکلمین جسقدر مبالغہ کرتے ہیں وہ میرا مذہب نہیں ہی -

میرا مذہب وہی جو امام مالک امام ثوری اور ابن مبارک اور تمام قدما کا مذہب ہے۔ یہ امر ظاہر متشابہات میں داخل ہے اور اس کی تاویل میں مبالغہ وخوض کرنا متروک۔ اور احکام مستنبطہ میں نزاع۔ اور اپنے اپنے مذہب کا استحکام اور دوسرے مذہب کا ابطال۔ اور قران مجید کے دلایل کے دفع کرنے میں حیلہ سازی یہ تمام باتیں میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ تدارء بالقران کے قبیل سے نہو۔ عالم کو چاہئے کہ وہ آیات کے مفہوم کو تلاش کرے اور اُسی کو اپنا مذہب قرار دے۔ خواہ وہ اُسکے مذہب سابق کے موافق ہو یا مخالف لیکن لغت قرانی کو عرب اول کے استعمالات سے لینا چاہئے اور صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار پر کلی اعتماد کرنا چاہئے اور قران شریف کے نحو میں ایک عجیب فساد پیدا ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک جماعت مفسرین نے مذہب سیبویہ اختیار کیا ہے اسلئے کلام اللہ میں جو استعمال اُن کو اُسکے مذہب کے خلاف ملتا ہے اُس کی تاویل کرتے ہیں خواہ تاویل بعید ہی کیوں نہو اور یہ بات میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ عالم کو چاہیے کہ وہ اُس امر کا اتباع کرے جو سیاق وسباق کے موافق اور زیادہ قوی ہو خواہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا۔ اور والمقیمین الصلواۃ والموتون الزکوۃ کی امثال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ستقیمہا العرب بالسنتہا اور فقیر کے نزدیک کلمہ ہذا کی یہ تحقیق ہے کہ مشہور محاورہ کے مخالف محاورہ بھی محاورہ ہی ہوتا ہے۔ اور عرب اول اپنے خطبات میں بکثرت ایسے محاورات استعمال کرتے تھے جو کہ مشہور قواعد کے مخالف ہوتے تھے۔ اور چونکہ کلام اللہ عرب اول کی زبان میں نازل ہوا اسلیے اگر کسی جگہ واؤ کی جگہ یا اور تثنیہ کی جگہ مفرد اور مذکر کی جگہ مونث آجاے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں اسلیے جو بات محقق ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ والمقیمین الصلوۃ حالت رفعی کے اعتبار سے کیا جاے۔ واللہ اعلم

علم معانی وبیان ایک ایسا علم ہے جو کہ حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ

علیہم اجمعین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہی بدینوجہ اسکے جو مسائل جمہور عرب کے عرف کے موافق سمجھ میں آئیں علی الراس والعین - اور جو ایسے دقیق امور ہیں کہ ان فنون میں گہری معلومات رکھنے والے کے سوا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتے اُن کی نسبت ہم یہ تسلیم نہیں کرینگے کہ وہ کلام اللہ میں بھی مطلوب ہیں اور صوفیائے کرام کے اشارات واعتبارات درحقیقت علم تفسیر کا جزو نہیں ہیں بلکہ قرآن شریف کے سننے کے وقت بعض باتیں سالک کے قلب پر ظاہر ہوتی ہیں جو نظم قرآن مجید اور اُس حال سے جو سالک پر طاری ہوتا ہی یا اُس معرفت سے جو اُسکو حاصل ہوتی ہی پیدا ہوتی ہیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی عاشق لیلی ومجنوں کا قصہ سنے اور اُس کی وجہ سے وہ اپنی محبوبہ کو یاد کرے اور نیز اُسکے اُن واقعات کی تصویر جو محبوبہ کیساتھ گذر چکی ہیں اُسکی نظروں کے سامنے کھنچ جائے۔

یہاں ایک مہتم بالشان فائدہ ہی اُسکو جان لینا چاہیے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر رویا کے فن کو معتبر قرار دیا ہی اور اس راہ کو خود چلکر دکھایا ہی تاکہ تعبیر رویا امت کے لیے سنت نبوی بنجائے اور اُنپر وہبی علوم میں سے ایک دوسری راہ کا دروازہ کھل جائے۔ مثلاً آیت فاما من اعطی واتقی مسئلہ تقدیر کی تمثیل میں بیان کیا جاتا ہی اگرچہ آیت کا مفہوم یہ ہی کہ جس شخص نے یہ افعال کیئے اُسکو جنت کی بے بہا نعمتیں عطا کیجاوینگی - اور جو اُنکے خلاف کا مرتکب ہوگا اُسپر دوزخ اور عذاب کا دروازہ کھولا جاویگا - لیکن فن تعبیر کی راہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہی کہ ہر ایک شخص کو ایک ایسی مخصوص حالت کے لیے پیدا فرمایا ہی اور وہ حالت اُسپر طاری ہوتی ہے خواہ وہ واقف نہوتا ہو - اسلیے اس آیت کو تقدیر کے مسئلہ سے ربط ہوگیا علی ہذا آیت ونفس وما سواہا فالہمہا فجورہا وتقواہا کا مفہوم یہ ہی کہ خدا تعالی نے ہر شخص کو نیکی اور بدی پر مطلع فرمایا لیکن نیکی اور بدی کی صورت علمیہ کے پیدا کرنے کو نفخ روح کیوقت انکو اجمالاً پیدا کرنیکے ساتھ مشابہت ہی اسلیئے بذریعہ اعتبار کے اس آیت سے مسئلہ تقدیر میں فصل کرسکتے ہیں واللہ اعلم

فصل

غرائب قرآنی جنکو احادیث میں مزید اہتمام اور فضیلت سے خاص کیا گیا ہے اُن کے چند انواع ہیں۔ تذکیر بالاء اللہ کے فن میں غریب وہ آیت ہے جسمیں حق تعالےٰ شانہ کی صفات کا بڑا مجموعہ ہو جیسے آیۃ الکرسی۔ سورۂ اخلاص اور سورہ حشر کی آخر کی آیتیں۔ اور سورہ مومن کی اول کی۔ اور تذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت ہوگی جس میں کوئی قلیل الذکر قصہ بیان کیا جاوے۔ یا کسی معلوم قصہ کو اُسکی پوری تفصیل سے ذکر کیا جاوے یا کسی ایسے بہت مفید واقعہ کو جسمیں حصول عبرت کے متعدد پہلو ہوں ذکر کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کی ہمراہی کے قصہ میں فرمایا کہ میری آرزو تھی کہ موسےٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ اور زیادہ صبر کرتے تاکہ خدا تعالیٰ ہمسے اُس قصہ کو اور زیادہ ذکر فرماتا۔ اور تذکیر بالموت وما بعد الموت کے فن میں غریب وہ آیت ہے جو کہ حالات قیامت کے لیے جامع ہو۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا آرزومند ہو اُس سے کہدو کہ وہ سورہ اذا الشمس کورت کو پڑھے اور فن احکام میں غریب ایسی آیت ہے کہ جو حدود کے بیان اور وضع خاص کی تعیین کو شامل ہو مثلاً حد زنا میں سو دُرّے کی تعیین اور تین حیض اور تین طہر کی تخصیص مطلقہ کی عدت میں اور میراث کے حصونکی تعیین۔ اور فن مخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے جسمیں جواب ایسے عجیب و غریب اسلوب پر بیان کیا جاوے جو کہ شبہ کو نہایت کامل طریقہ سے اُٹھا دے۔ اور یا کہ اُس میں فریق مقابل کے حال کو ایک واضح مثال کیساتھ بیان کیا جاوے کمثل الذی استوقد نارا علی ہذا بت پرستی کی قباحت اور خالق ومخلوق اور مالک ومملوک کے مراتب کا فرق عجیب امثلہ سے بیان کیا جاوے۔ یا ریاکاروں اور طالبان شہرت کے اعمال کی ضبطی

کو بلیغ اسلوب کیساتھ بیان کیا جاوے۔ غرائب قرآنی انہیں ابواب مذکورہ میں محصور نہیں ہیں لبا اوقات غرابت کلام کی بلاغت اور اسلوب کی شیرینی سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ الرحمن - یہی وجہ ہے کہ اسکا نام حدیث میں عروس القرآن رکھا گیا ہے اور کبھی غرابت شقی اور سعید کے باہمی فرق کی تصویر کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لکل آیۃ منہا ظہر و بطن و لکل حد مطلع[ا] قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے لیے ایک معنی ظاہری اور ایک باطنی ہیں اور ہر ایک حد کے لیئے جھانکنے کی جگہ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ ان علوم پنجگانہ کا ظہر وہ چیز ہے جو کہ کلام کا مدلول اور مفہوم ہے اور باطن علم تذکیر بالاٰء میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کیا جاوے۔ اور صحیح مراقبہ اور علم تذکیر بایام اللہ میں اُن قصوں سے مدح و ذم اور عذاب و ثواب کے موقوف علیہ کی پہچان ہے۔ اور نصیحت حاصل کرنا اور فن تذکیر بالجنۃ والنار میں امید و بیم کا ظہور اور اُن امور کو چشم دید کیفیت تک پہنچانا اور احکام کی آیتوں میں اُنکی فحوے اور سے باریک و خفی احکام کا استنباط اور گمراہ فرقوں سے مباحثہ میں اُن مباحثوں کی اصل کی پہچان اور نیز اُنکے ساتھ مثل اُنکے دوسری قباحتوں کو شامل کرنا کلام اللہ کے ظاہر کی اطلاع زبان عرب اور اُن آثار کے علم سے ہوتی ہے جنکا تعلق فن تفسیر سے ہے اور اُسکے ذہن کی لطافت اور استقامت اور نور باطن اور حالت سکینہ سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل

علم تفسیر کے اُن وہبی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا انبیاء علیہم السلام

[ا] ومطلع کل حد الاستعداد الذی بہ تحصیل کمعرفۃ اللسان والاثار ولطافۃ الذہن واستقامۃ الفہم ۱۲ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۵

کے قصوں کی تاویل بھی ہی۔ فقیر نے اس فن کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے
تالیف کیا ہی اور تاویل سے مراد یہ ہی کہ خدا تعالیٰ نے جس زمانہ میں جو تدبیر چاہی ہے
اسکی رو سے ہر ایسے قصہ کے لیے جو اُسوقت واقع ہوا ہی ایک مبدء پیغمبر اور اُس کی
قوم کی استعداد سے ہوتا ہی اور گویا الٰہی معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا
ہے۔ ویعلمک من تاویل الاحادیث۔ دوسرے علوم پنجگانہ کی تنقیح میں درحقیقت کلام اللہ
منطوق وہی ہیں مفصل بیان اس رسالہ کے شروع میں گذر چکا ہی اُس کی طرف رجوع
کرنا چاہئے اسکے علاوہ کلام اللہ کا فارسی زبان میں ترجمہ اس طریقہ سے کہ وہ مقدار
اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہی یہ کام ہمنے فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن میں
کیا ہی۔ اگرچہ بعض مقامات میں ہمنے ناظرین کے عدم فہم کے خوف سے بلا کسی تفصیل
کے اس شرط کو ترک کر دیا ہی۔ ماسوا اسکے خواص قرانی کا علم ہی متقدمین نے کلام اللہ
کے خواص میں دو طرح پر کلام کیا ہی۔ ایک تو دعا کے مشابہ اور دوسرے سحر کے مشابہ
استغفر اللہ منہ۔ مگر فقیر پر خواص منقول کے علاوہ ایک جدید دروازہ کھولا گیا ہے
حضرت حق جل شانہ نے ایک مرتبہ اسماء حسنیٰ اور آیات عظمیٰ اور ادعیہ متبرکہ کو
میری گود میں رکھکر فرمایا کہ تصرف عام کے لیے یہ ہمارا عطیہ ہی۔ لیکن ہر ایک آیت
اور اسم اور دعا ایسی شرائط کیساتھ مشروط ہی جو کسی قاعدہ میں سما نہیں سکتیں بلکہ اُسکا
قاعدہ اصلی عالم غیب کی طرف سے اشارہ کا انتظار ہوتا ہی۔ جیسا کہ حالت استخارہ
میں ہوتا ہی حتی کہ عالم غیب سے کسی خاص آیت یا اسم کا اشارہ ہو جاتا ہی اُس آیت یا
اسم کو اُسی طور پر تلاوت کرنا چاہئے جیسا کہ اس فن والوں کے نزدیک مقرر ہی۔

یہ ہیں وہ مضامین جنکے بیان کا اس رسالہ میں ہمنے قصد کیا تھا والحمد للہ
اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً۔